

اسلام اور سائنس

ڈاکٹر محمد رفیع الدین

اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی

إِسْلَامٌ أَوْ سَائِرٌ

ڈاکٹر محمد رفیع المدیر

اسلامک بک فاؤنڈیشن

۱۷۸۱۔ حوض سویوالان نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

ISLAM AUR SCIENCE

By Dr. Mohammad Rafiuddin

Rs. 50/-

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ

© اسلامک بک فاؤنڈیشن نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

اسلام اور سائنس	نام کتاب۔
ڈاکٹر محمد رفیع الدین	نام مصنف
ٹی صابرہ	طابع
۱۹۹۸ء	بار اول
	بار دوم
ڈاکٹمنڈ پرنٹرز دہلی	مطبع
ڈاکٹمنڈ کمپیوٹرس دہلی	کمپوزنگ

40/- روپے

قیمت

ناشر

اسلامک بک فاؤنڈیشن

۱۷۸۱۔ حوض سویوالان نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

فہرست مضامین

۷	سائنس کیا ہے؟
۷	سائنسی طریق تحقیق کے چار مرحلے
۸	سائنسی علوم کی قسمیں
۹	سائنسداں کے بنیادی اعتقادات
۱۰	کائنات کی وحدت کے نتائج
۱۲	سائنس کی وحدت کا سبب حقیقت کائنات کی وحدت ہے
۱۳	مسلمانوں کا تصور حقیقت
۱۳	وحدت کائنات سے خدا کے وجود کا قرآنی استشہاد
۱۶	فلسفہ سائنس ہی کا ایک شعبہ ہے
	مسلمان سائنسی طریق تحقیق کے موجد
۱۶	اور سائنسی علوم کے بانی تھے
۱۹	مسلمانوں کو امتیاز کیسے حاصل ہوا
۲۰	مشاہدہ اور مطالعہ قدرت کی قرآنی دعوت
۲۹	منکرین خدا کا مشاہدہ و مطالعہ کائنات
۲۹	آنکھوں کی بینائی اور دل کا اندھا پن
۳۴	قرآن کا فلسفہ سائنس کی بنیادیں

- ۳۲ مظاہر قدرت آیات اللہ کیوں ہیں
- ۳۳ کیا سائنس کے لئے کسی عقیدہ کا پس منظر ضروری ہے؟
- ۳۴ قرآن کا طریق تعلیم
- ۳۵ ایک مثال سے قرآن کے فلسفہ سائنس کی وضاحت
- ۳۸ عصر جدید کے مغربی سائنسدانوں کی غلطی
- ۳۹ قدیم سائنسدانوں کا زاویہ نگاہ
- ۴۰ سارٹن کا عذر
- مغرب میں خدا اور سائنس کے افتراق کا بنیادی سبب
- ۴۲ عیسائیت کی تعلیم ہے
- ۴۳ عیسائیت میں دین اور دنیا کی علیحدگی ایک اساسی عقیدہ ہے
- ۴۴ کلیسا کی سائنس دشمنی اور عیسائیت کی مذہبی عدالتوں کے مظالم
- ۴۶ انیسویں صدی کی طبعیات کی غلط فہمی
- ۴۶ ڈارونزم کا زہر اور اس کی عالم گیر خریداری
- ۴۷ کور چشمی کی ایک بین مثال
- خدا کے عقیدہ کے خلاف عیسائی مغرب کے
- ۴۸ سائنسدانوں کا علمی تعصب لا علاج ہے
- ۴۹ سائنس اور اللہ کے افتراق کے مہلک نتائج
- ۵۰ مسلمانوں کی افسوسناک غلطی
- ۵۱ اسلام کی رو سے اللہ کا عقیدہ سائنس کی کلید اور بنیاد ہے
- ۵۲ اس دور کے مسلمان سائنسدانوں کا غلط نقطہ نظر
- ۵۳ حقیقت وجود اور حقیقت علم
- ۵۵ مذہب سائنسزم کا تضاد

- ۵۶ سائنس کے اسلامی اور اشتر کی فلسفوں میں فرق
- ۵۶ سائنس کی صحیح اعتقادی بنیاد
- ۵۷ سائنس اور فلسفہ کسی خدا کو ثابت نہیں کرتے
- ۵۹ عقیدہ توحید کے مضمرات کا انکار
- ۶۰ سائنسی تحقیق کو عقیدہ توحید کی روشنی سے محروم کر دینا
- ۶۲ خدا کی خالقیت اور ربوبیت سے انکار
- ۶۳ تمام علمی سچائیوں کی حقیقت
- ۶۴ خلاف قرآن عقیدہ
- ۶۴ محکومی کا سحر
- ۶۶ غلطی سے رجوع کرنا نجات کا واحد راستہ
- ۶۷ سائنسی علوم کے لئے اسلامی یونیورسٹی کی ضرورت
- ۶۸ سائنسی علوم کی تشکیل جدید
- ۷۳ دونوں باتوں کا فرق
- ۷۴ سائنس کی سیدھی راہ سے انحراف کا علاج
- ۷۵ طبعیاتی علاج کی تشکیل جدید
- ۷۸ قرآن کی تعلیم
- ۸۰ حیاتیاتی علوم کی تشکیل جدید
- ۸۴ نفسیاتی علاج کی تشکیل جدید

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

سائنس کیا ہے؟

علم کے جس شعبہ کو ہم سائنس کہتے ہیں اس کا دوسرا نام علم کائنات ہے جس میں انسان کا علم بھی شامل ہے۔ سائنسی علوم کی کلید کائنات کے قدرتی حالات اور واقعات کا یا دوسرے لفظوں میں مظاہر قدرت کا مشاہدہ ہے۔ جو ہمارے حواس خمسہ کے ذریعہ سے عمل میں آتا ہے۔ سائنس داں کائنات سے کچھ نتائج اخذ کرتا ہے پھر ان نتائج کو ایک قابل فہم تنظیم اور ترتیب کے ساتھ جمع کرتا ہے۔ ہر درست سائنسی نتیجہ کو ہم ایک مستقل علمی حقیقت یا قانون قدرت سمجھتے ہیں۔ مشاہدہ سے دریافت ہونے والے نتائج یا علمی حقائق کو جب مرتب اور منظم کر لیا جاتا ہے تو اسے ہم سائنس کہتے ہیں۔

سائنسی طریق تحقیق کے چار مرحلے

بعض وقت سائنس داں کائنات کے حالات اور واقعات کا مشاہدہ براہ راست انکی قدرتی حالت میں کرتا ہے اور اس غرض کے لئے ان کو ڈھونڈھ نکالتا ہے اور خود ان کے قریب جاتا ہے۔ لیکن بعض وقت وہ اپنے معمل کے اندر کائنات کے حالات اور واقعات کو مصنوعی طور پر پیدا کر کے ان کا مشاہدہ کرتا ہے۔ گویا ان کو اپنے قریب لاتا ہے لیکن خواہ سائنس داں مظاہر قدرت کے قریب خود جائے یا ان کو اپنے قریب لائے دونوں صورتوں میں وہ کائنات کے

مشاہدہ اور مطالعہ کی خاطر اپنے لئے سہولتیں پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ سائنسداں کی اس کوشش کو تجربہ کا نام دیا جاتا ہے۔ تجربہ کی غرض مشاہدہ ہے اور مشاہدہ کی غرض غور و فکر کے بعد نتائج اخذ کرنا۔ بعض وقت بہت سے الگ تھلگ سائنسی حقائق ملکر ایک ایسی حقیقت کی طرف راہ نمائی کرتے ہیں جو براہ راست تجربہ اور مشاہدہ کے طریقوں سے ثابت شدہ نہیں ہوتی۔ تاہم چونکہ وہ بعض ثابت شدہ حقائق کو منظم کرتی ہے۔ اس لئے سائنسداں اسے ایک قابل یقین نظریہ کے طور پر اپنے سائنسی حقائق میں داخل کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا کرنے کے بغیر اس کے الگ تھلگ سائنسی حقائق قابل فہم نہیں ہوتے اور ان میں کوئی عقلی تنظیم یا وحدت پیدا نہیں ہو سکتی لہذا یہ نظریہ بھی جب تک کہ سائنسی حقائق اسے غلط ثابت نہ کریں ایک سائنسی حقیقت کا درجہ رکھتا ہے کیونکہ وہ بھی ہمارے مشاہدات کے نتائج میں شامل ہوتا ہے۔

سائنس داں کے اس طریق تحقیق کو جس کی روح کائنات کا مشاہدہ اور مطالعہ ہے۔ سائنسی طریق تحقیق یا سائنٹفک میتھڈ (scientific method) کہا جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ سائنسداں کے طریق تحقیق کے چار مرحلے ہوتے ہیں:

اول ----- تجربہ (Experiment)

دویم ----- مشاہدہ (Observation)

سومیم ----- اخذ نتائج (inference)

چہارم ----- تنظیم نتائج (systematization of inferences)

سائنسی علوم کی قسمیں

کائنات کے تین واضح طبقے ہیں (۱) مادہ (۲) زندہ اجسام اور (۳) نفس

انسانی اور ان کے بالمقابل علم کائنات یا سائنس کے بھی تین بڑے حصے ہیں:

(۱) مادہ کی ماہیت سے تعلق رکھنے والے علوم یا طبیعیاتی علوم جن میں علم طبیعیات، علم کیمیا، علم الافلاک، علم الارض وغیرہ علوم شامل ہیں۔

(۲) زندگی کی ماہیت سے تعلق رکھنے والے علوم یا حیاتیاتی علوم جن میں علم حیاتیات، علم نباتات، علم الحیوانات، علم الجنین، علم الابدان، طب وغیرہ علوم شامل ہیں۔

(۳) نفس انسانی کی ماہیت اور اسکے مظاہر سے تعلق رکھنے والے علوم یا انسانی یا نفسیاتی علوم جن میں نفسیات فرد، نفسیات جماعت، علم التاريخ، علم سیاست، علم الاخلاق، علم الاقتصاد، علم القانون، علم التعليم، وغیرہ شامل ہیں۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو ریاضیات اور منطق بھی نفسیات ہی کی شاخیں ہیں۔ کیونکہ وہ ان اصولوں کی تشریح اور تفصیل پر مشتمل ہیں جن کے مطابق ذہن انسانی سوچتا ہے۔

ہم سائنس کے ان شعبوں کو اختصار کی غرض سے علی الترتیب، طبیعیات، اور حیاتیات اور نفسیات بھی کہہ سکتے ہیں۔

سائنسداں کے بنیادی اعتقادات

بعض اوقات یہ سمجھا جاتا ہے کہ سائنس کو اعتقاد سے کوئی تعلق نہیں اور دور حاضر کا سائنسداں اپنی تحقیق کسی ایسے اعتقاد سے شروع نہیں کرتا جس کو اس نے بلا ثبوت پہلے سے قبول کر لیا ہو۔ بلکہ وہ خالی الذہن ہوتا ہے اور اس کے مشاہدات جس طرف اسے لے جاتے ہیں۔ چلا جاتا ہے یہ خیال درست نہیں ہر سائنسداں اپنی سائنسی تحقیق کی بنیاد کے طور پر حقیقت سائنس یا حقیقت علم کے متعلق کچھ عقائد رکھتا ہے جو خود حقیقت کائنات کے کسی عقیدہ سے ماخوذ ہوتے

ہیں اور جو اس کی تحقیق کے نتائج پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مثلاً ہر سائنسداں شروع سے ہی اس بات کا اعتقاد رکھتا ہے کہ کائنات ایک یکساں کل یا وحدت ہے۔ یعنی وہ فاصلہ اور وقت دونوں کے لحاظ سے ایسے منطقیوں یا حصوں میں بٹی ہوئی نہیں جن میں متضاد قسم کے قوانین قدرت جاری ہوں۔ کائنات کے قوانین مسلسل اور مستقل ہیں وہ نہ صرف ہر جگہ ایک ہی ہیں بلکہ ہر زمانہ میں بھی ایک ہی رہتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ سائنسداں کا یہ عقیدہ صحیح ہے اور اسکی صحت کی ایک دلیل یہ ہے کہ وہ آج تک غلط ثابت نہیں ہو سکا۔ یہ عقیدہ سائنسی تحقیق کا باعث ہے اس کا نتیجہ نہیں، سائنس کی تمام ترقیات جو اب تک ممکن ہوئی ہیں ان کی بنیاد یہی عقیدہ ہے۔ اگر سائنسداں اس عقیدہ سے آغاز نہ کرتے اور یہ عقیدہ صحیح نہ ہوتا تو سائنس ممکن نہ ہوتی۔ یہی وہ عقیدہ ہے جو سائنسداں کو سائنسی تحقیق کے لئے اکساتا ہے اور اسی کی تصدیق سے وہ اپنے سائنسی نتائج پر مطمئن ہوتا ہے اور اس کی راہ پر آگے قدم اٹھاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر سائنسداں کو معلوم ہو جائے کہ جو سائنسی حقیقت اس نے اپنی تحقیق سے آج اس وقت اور اس مقام پر دریافت کی ہے وہ محض وقتی اور مقامی ہے اور اس کی متبادل یا متوازی سائنسی حقیقتیں اس کائنات میں بہت سی ہیں یا آئندہ ہو سکتی ہیں۔ مثلاً اگر اسے یہ خیال ہو کہ پانی سطح سمندر سے یکساں بلندی پر کہیں تو سو درجہ حرارت پر اور کہیں پچاسی درجہ حرارت پر ابلتا ہے اور کسی خاص مقام پر کسی وقت ۱۰ درجہ حرارت پر اور کسی اور وقت پچاس درجہ حرارت پر ابلتا ہے تو وہ اپنی اس تحقیق کے نتیجہ کو بیکار سمجھ کر چھوڑ دیگا۔

کائنات کی وحدت کے نتائج

پھر کائنات کی اسی وحدت کی وجہ سے سائنسداں بلاشبوت اور بلا دلیل یہ

عقیدہ بھی رکھتا ہے کہ سائنس ایک وحدت ہے اور سچے سائنسی حقائق خواہ وہ طبیعیاتی ہوں، یا حیاتیاتی یا نفسیاتی ایک دوسرے کے ساتھ عقلی طور پر وابستہ ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ علمی ربط و ضبط رکھتے ہیں۔ ایک دوسرے کو سہارا دیتے اور ایک دوسرے کی تائید اور توثیق کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر روشنی ڈالتے ہیں اور کسی صورت میں بھی آپس میں ایک دوسرے سے متضاد نہیں ہوتے اور دوسرے کی علمی اور عقلی مخالفت نہیں کرتے۔ سائنسداں بلا ثبوت اور بلا دلیل یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ تمام سائنسی حقائق مل کر ایک ایسا عقلی اور علمی نظام بناتے ہیں کہ اگر کوئی ایسی نام نہاد ”سائنسی حقیقت“، اس میں داخل کر دی جائے جو سچی سائنسی حقیقت نہ ہو تو وہ اس نظام میں سما نہیں سکتی کیونکہ تمام سائنسی حقائق اس کی علمی اور عقلی مخالفت کرتے ہیں۔ اسی اعتقاد کی وجہ سے جب سائنسداں دیکھتا ہے کہ اس کی تحقیق کے ذریعہ سے کوئی ایسی سائنسی حقیقت آشکار ہوئی ہے جو کسی دوسری سائنسی حقیقت سے جو پہلے سے معلوم اور مسلم ہو نکراتی ہے تو وہ اپنی تحقیق کو ناقص سمجھتا ہے اور اس ”نام نہاد“، سائنسی حقیقت کو غلط سمجھ کر رد کر دیتا ہے یا پھر پہلی معلوم اور مسلم سائنسی حقیقت پر شبہ کرنے لگتا ہے۔ اس پر نظر ثانی کرتا ہے اور اگر وہ غلط ہو تو اسے رد کر دیتا ہے۔ سائنسی حقائق کی وحدت کا نتیجہ یہ ہے کہ جب سائنس کا کوئی حصہ غلط طور پر ترقی کر رہا ہو تو ساری سائنس کی ترقی پر اس کا برا اثر پڑتا ہے یہاں تک کہ سائنس کے بعض حصوں کی ترقی بالکل رک جاتی ہے سائنس داں بلا ثبوت اور بلا دلیل یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ ہر سچی سائنسی حقیقت بہت سی اور سائنسی حقیقتوں پر روشنی ڈالتی ہے اور اگر اس نے ایک ایسی حقیقت کو رد کر دیا تو بہت سی اور سائنسی حقیقتیں اس کی نظروں سے اوجھل ہو جائیں گی اور سائنس کی ترقی اس کے کسی نہ کسی شعبہ یا حصہ میں رک جائے گی۔ یہ وہ اعتقادات ہیں جن سے سائنسداں اپنی

تحقیق کا آغاز کرتا ہے۔ یہ اعتقادات اسکی تحقیق کے آغاز سے پہلے اسکے دل کے اندر بطور مسلمات کے موجود ہوتے ہیں۔ وہ ان کو ثابت نہیں کرتا بلکہ قبول کرتا ہے اور ان کی مدد سے اور ان کی روشنی میں اپنے تمام سائنسی حقائق کو ثابت کرتا ہے۔

سائنس کی وحدت کا سبب حقیقت کائنات کی وحدت ہے

سائنس داں وحدت کائنات اور وحدت سائنس پر بلا ثبوت اور بلا دلیل اعتقاد کیوں رکھتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بحیثیت انسان اپنی فطرت سے ایسا کرنے کے لئے مجبور ہے۔ انسان کی فطرت میں یہ اعتقاد ودیعت کیا گیا ہے کہ حقیقت کائنات ایک ہے اور ساری کائنات اسی کا مظہر ہے اور خواہ سائنس داں اپنے اس وجدانی اعتقاد کا اعتراف کرے یا نہ کرے لیکن یہ اعتقاد پھر بھی اس کی فطرت کے جزو لاینفک کے طور پر اس کے لاشعور میں جاگزیں رہتا ہے اور وہ اس اعتقاد کے مطابق عمل کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ جب تک حقیقت کائنات کو شعوری یا لاشعوری طور پر ایک نہ مانا جائے سائنسی حقائق کی وحدت کو ماننا ممکن نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وحدت بغیر نظم یا اتحاد کے نہیں ہوتی اور نظم متحد کرنے والے یا منظم کرنے والے کسی مرکزی اصول کے بغیر محال ہے۔ پھر یہ ضروری ہے کہ جو اصول تمام سائنسی حقائق کو متحد اور منظم کرے وہ ان کی جان یا روح یا آخری حقیقت کے طور پر ہو۔ یعنی وہ حقیقت الحقائق یعنی کائنات کی آخری حقیقت ہو اور تمام سائنسی حقائق اس کی تشریح اور تفسیر کے اجزا اور عناصر ہوں اور اس کے ساتھ علمی ربط اور عقلی مطابقت رکھتے ہوں دراصل سائنسی حقائق کے باہمی علمی اور عقلی ربط و ضبط کی وجہ یہی ہے کہ وہ سب حقیقت کائنات کے ساتھ عقلی اور علمی ربط و ضبط رکھتے ہیں۔ سائنس داں کاشعوری یا لاشعوری تصور حقیقت ہمیشہ

اس کے ساتھ رہتا ہے اور اس کے سائنسی نتائج پر اثر انداز ہوتا رہتا ہے اور چونکہ سائنسی حقائق صرف صحیح تصور حقیقت کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں اور کسی غلط تصور حقیقت کے ساتھ مطابقت نہیں رکھ سکتے لہذا اگر سائنسداں کا تصور حقیقت درست ہو گا تو اس کی سائنسی تحقیق درست ہوگی اور اس کو درست نتائج تک پہنچائے گی ورنہ جا بجا غلط ہو جائے گی اور آخر کار رک جائے گی۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت نفسیاتی یا سائنسی علوم کے دائرہ میں جو تصور حقیقت کے ساتھ زیادہ قریب کا تعلق رکھتے ہیں زیادہ شدت سے نمودار ہوگی۔ تصور حقیقت کے غلط ہونے سے سائنس کے غلط ہو جانے کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں سائنس داں غیر شعوری طور پر بعض صحیح سائنسی حقائق کو بدل کر اپنے غلط تصور حقیقت کے مطابق کرتا جاتا ہے اور بعض غلط نام نہاد ”سائنسی حقائق“، کو جو اس کے مطابق ہوں صحیح سمجھ کر قبول کرتا جاتا ہے۔

مسلمانوں کا تصور حقیقت

روسی اشتراکیوں کے نزدیک یہ تصور حقیقت مادہ ہے لیکن مسلمانوں کے نزدیک یہ تصور حقیقت خدا ہے۔ لہذا مسلمانوں کے نزدیک یہی تصور حقیقت ہے جس سے تمام سائنسی حقائق مطابقت رکھتے ہیں اور جو تمام سائنسی حقائق سے مطابقت رکھتا ہے اور ان کی طرف صحیح راہ نمائی کرتا ہے۔ باقی ہر قسم کے تصورات حقیقت سائنس کی مجموعی ترقی کے لئے مضر ہیں۔ دراصل ایک ہی تصور حقیقت ایسا ہے جو وحدت عالم اور وحدت علم کی معقول اور قابل قبول تشریح کر سکتا ہے اور وہ مسلمانوں کا تصور حقیقت ہے جسکی رو سے وہ یہ مانتے ہیں کہ سائنسی حقائق اور قوانین قدرت کی حقیقت اور اصلیت یہ ہے کہ وہ کائنات میں خدا کے تخلیقی اور تربیتی اعمال و افعال ہیں اور خدا ایک شخصیت ہے اور

شخصیت کا خاصہ ہے کہ اس کا صرف ایک مقصد یا مدعا ہوتا ہے جس کے ماتحت اس کے سارے اعمال و افعال سرزد ہوتے ہیں۔ جہاں بھی ہمیں اعمال و افعال کا ایک سلسلہ نظر آئے وہاں کسی شخصیت کی کار فرمائی کا موجود ہونا ضروری ہے۔ فرد انسانی کے اعمال و افعال کے اندر بھی ایک وحدت ہوتی ہے کیونکہ وہ بھی ایک شخصیت ہے اور بیک وقت ہمیشہ ایک مقصد اور مدعا کے ماتحت اپنے سارے کام کرتا ہے۔

چونکہ کائنات کی تخلیق سے خدا کا ایک مقصد ہے لہذا خدا کے سارے اعمال و افعال میں جو قوانین قدرت یا سائنسی حقائق کی صورت اختیار کرتے ہیں ایک وحدت موجود ہے۔ اسکے برعکس چونکہ قوانین قدرت یا کائنات کے اعمال و افعال کے اندر ایک وحدت موجود ہے لہذا ضروری ہے کہ ان اعمال و افعال کا باعث کوئی شخصیت ہو جو کائنات کی خالق ہو۔

وحدت کائنات سے

خدا کے وجود کا قرآنی استشہاد

وحدت کائنات کا باعث یہ ہے کہ اس کا کوئی مقصد ہے اور وہ مقصد ایک ہی ہے اور اس کے مقصد کی وحدت کا باعث یہ ہے کہ اس کا کوئی خالق ہے اور وہ خالق ایک ہی ہے وحدت کائنات پر سائنسدانوں کے غیر شعوری وجدانی اعتقاد کا باعث ان کی فطرت کا یہ مخفی اور غیر شعوری تقاضا ہے کہ وہ کائنات کا ایک مقصد مانیں اور وہ مقصد ایک ہی ہو اور اس کا ایک خالق تسلیم کریں اور وہ خالق ایک ہی ہو۔

قرآن حکیم نے کائنات کی طرف پر زور الفاظ میں توجہ دلائی ہے اور اس کو اس بات کے ثبوت کے طور پر پیش کیا ہے کہ کائنات کا کوئی خالق ہے اور وہ خالق ایک ہی ہے۔

ما تری فی خلق الر حمن من تفاوت فارجع البصر هل تری من
 فطورثم ارجع البصر کرتین ينقلب البصر اليك خاسئاوهو
 حسیر۔

(ترجمہ) اے پیغمبر آپ خدا کی تخلیق میں کوئی فرق نہ دیکھیں گے۔

ذرا نظر دوڑائیے اور کائنات کا مشاہدہ کیجئے کیا آپ کو خدا کی تخلیق میں کبھی
 کوئی دراڑ نظر آتا ہے۔ پھر دوبارہ نظر دوڑائیے اور دیکھئے نگاہیں مایوس اور
 درماندہ ہو کر ہو کر لوٹیں گی کہ خدا کی تخلیق میں کبھی کوئی دراڑ نہیں (کیا
 کائنات کی یہ وحدت اس کی مقصدیت کا اور پھر اس کی مقصدیت کسی خالق
 کائنات کی ہستی اور وحدت کا ثبوت نہیں)۔

هل ارأیتم ما تدعون من دون الله ارونی ماذا خلقوا من
 الارض ام لهم شرك فی السموات۔

(ترجمہ) اے پیغمبر کہئے۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم خدا کو چھوڑ کر کس کی
 عبادت کرتے ہو۔ مجھے بتاؤ تو سہی کہ آیا انہوں نے زمین میں کچھ پیدا کیا ہے یا
 آسمانوں کی تخلیق میں ان کا کوئی حصہ ہے۔

یعنی اگر کائنات کی تخلیق میں خدا کے ساتھ کوئی اور شریک ہوتا تو زمین و
 آسمان میں کہیں تو اس کی اپنی تخلیق کا کوئی نشان ملتا جہاں جدا قسم کے قوانین
 قدرت نافذ ہوتے۔ ظاہر ہے کہ منکرین قرآن حکیم کے اس سوال کے جواب
 میں اسی کائنات کا ایک حصہ پیش کر کے معقولیت کے ساتھ نہیں کہہ سکتے تھے
 کہ یہ حصہ خدا کے اس شریک نے پیدا کیا ہے جسے ہم مانتے ہیں۔ کیونکہ جب
 کائنات کے اس حصہ میں بھی قوانین قدرت وہی ہیں جو باقی کائنات میں ہیں تو
 کس طرح سے کہا جاسکتا ہے کہ اس کا خالق وہی نہیں۔ جو باقی کائنات کا ہے۔

فلسفہ سائنس کا ہی ایک شعبہ ہے

فلسفہ اور سائنس کے اس باہمی تعلق کی بناء پر ہم فلسفہ کو سائنس سے الگ نہیں کر سکتے۔ جب تک سائنس کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے دریافت کئے ہوئے حقائق کی تشریح، توجیہ یا تنظیم کے لئے نظریات قائم کرے۔ فلسفہ اور سائنس میں کوئی واضح امتیاز نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ صرف یہی کہا جاسکتا کہ فلسفہ پوری کائنات کی سائنسی تحقیق کی وہ چوتھی اور آخری منزل ہے جہاں تمام کائنات کا سائنسی علم، تجربہ اور مشاہدہ اور استنتاج کے تینوں مرحلوں سے گذر کر تنظیم نتائج کے چوتھے مرحلہ میں داخل ہوتا ہے۔ دراصل جب سائنسی تحقیق اپنی مجموعی حیثیت سے اپنے آخری درجہ پر پہنچتی ہے تو ہم اسے فلسفہ کہتے ہیں۔

مسلمان سائنسی طریق تحقیق کے موجد اور سائنسی علوم کے بانی تھے

بعض یورپی مصنفوں کی غلط بیانیوں کی وجہ سے دنیا مدت تک اس غلط فہمی میں مبتلا رہی ہے کہ سائنسی علوم اور سائنسی طریق تحقیق کے موجد یورپ کے لوگ ہیں۔ چنانچہ بعض لوگوں کا خیال یہ تھا کہ سائنسی طریق تحقیق کا موجد روجر بیکن (Roger Bacon) یا اس کا ایک اور ہم نام ہے لیکن سائنسی علوم کی تاریخ کے موضوع پر حال کی علمی تحقیق نے اس ناقابل تردید تاریخی حقیقت سے پردہ چاک کر دیا ہے کہ سائنسی طریق تحقیق جس کی بدولت موجودہ سائنسی علوم وجود میں آ کر ترقی پذیر ہوئے ہیں مسلمانوں نے ایجاد کیا تھا اور یورپ کے حالیہ سائنسی علوم کی بنیاد بھی مسلمانوں نے رکھی تھی پھر بعض لوگوں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ مسلمانوں نے سائنسی طریق تحقیق یونانیوں سے سیکھا تھا اور اپنے سائنسی علوم کی بنیاد یونانیوں کی سائنس پر رکھی تھی۔ لیکن یہ خیال بھی درست نہیں۔

تعمیر انسانیت (The Making of Humanity) کا مصنف بر فالٹ (Briffault) اس قسم کی تمام غلط فہمیوں کی پر زور تردید کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”عصر جدید کی دنیا میں عربوں کی تہذیب کا عظیم الشان حصہ سائنس ہے لیکن اس کے پھل کو پکنے میں کچھ دیر لگی۔ جب تک ہسپانوی عربوں کی تہذیب تاریکی میں دوبارہ گم نہیں ہوئی۔ وہ دیو مہیب جس کو اس نے جنم دیا تھا اپنی پوری قوت کے ساتھ کھڑا نہیں ہوا۔ یہ فقط سائنس ہی نہیں تھی جس نے یورپ کو زندہ کیا۔ اسلام کی تہذیب کے اور بہت سے اثرات نے یورپ کی زندگی کو اس کی پہلی چمک دمک سے آراستہ کیا تھا“

(ص: ۲۰۲)

”اگرچہ یورپ کی ترقی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس میں اسلامی تہذیب کے فیصلہ کن اثر کے نشانات موجود نہ ہوں۔ لیکن یہ اثر کہیں بھی اتنا واضح اور اہم نہیں جتنا کہ اس طاقت کے ظہور میں ہے جو دنیائے جدید کی مخصوص اور مستقل قوت اور اس کی کامیابی کا سب سے بڑا راز ہے یعنی سائنس اور سائنسی طرز فکر،“

(ص: ۱۰۹)

”ہماری سائنس فقط انقلاب آفریں نظریات کی حیرت انگیز دریافت کے لئے ہی علوم عرب کی احسان مند نہیں بلکہ سائنس اس سے بھی بڑے احسان کے لئے عربوں کی تہذیب کی مرہون منت ہے اور اصل بات تو یہ ہے کہ وہ خود اپنے وجود ہی کے لئے اس کے زیر احسان ہے۔ دنیائے قدیم یعنی یونانیوں کی تہذیب جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں سائنس سے پہلے کی دنیا تھی۔ یونانیوں کی فلکیات اور ریاضیات دوسرے ملکوں سے درآمد کی ہوئی چیزیں تھیں جن کو یونانی تہذیب کی آب و ہوا کبھی پوری طرح سازگار نہ آسکی۔ اہل یونان حقائق کو منظم کرتے تھے۔ لیکن تحقیق و تجسس کے صبر آزمائے، مثبت علم کی فراہمی، سائنس کے نکتہ رس طبقے، مفصل اور طویل مشاہدہ اور تجرباتی چھان بین ایسی چیزوں کا اہل یونان

کی افتاد طبیعت سے کوئی سروکار نہ تھا۔ قدیم کلاسیکی دنیا کا علمی کام اگر کسی مقام پر ذرا سا بھی سائنسی تحقیق کے نزدیک پہنچا تو وہ یونانیوں کے دور کا اسکندر یہ تھا۔ جسے ہم سائنس کہتے ہیں وہ یورپ میں تحقیق کی ایک ایسی نئی روح اور تجسس کے ایسے نئے طریقوں یعنی تجربہ، مشاہدہ اور پیمائش اور ریاضیات کی اس قسم کی ترقی کے طفیل ظہور پذیر ہوئی تھی جس سے اہل یونان محض بے خبر تھے۔ اس روح کو اور ان طریقوں کو یورپ میں عربوں نے داخل کیا،، (ص: ۱۹۰)

”یورپ میں علوم کا احیاء چند ہویں صدی میں نہیں بلکہ اس وقت ہوا جب عربوں اور موروں کی تہذیب کے اثر سے یورپی تہذیب میں زندگی کی نئی روح پھونکی گئی۔ یورپ کی نئی زندگی کا گہوارہ اٹلی نہیں، بلکہ اسپین تھا۔ مدتوں تک بربریت کی پستیوں میں غرق ہوتے رہنے کے بعد یورپ جہالت اور ذلت کی تاریک ترین گہرائیوں میں پہنچ چکا تھا۔ جب عرب ملکوں کے شہر بغداد، قاہرہ، قرطبہ اور طلیطلہ تہذیب اور علمی مشاغل کے ترقی پذیر مراکز بنے ہوئے تھے ان شہروں میں اس نئی زندگی کا آغاز ہوا جو نوع انسانی کے ارتقا کے ایک نئے پہلو کی صورت میں جلوہ افروز ہونے والی تھی۔ اس وقت سے لیکر جب عربوں کی تہذیب کا اثر محسوس ہونے لگا۔ نئی زندگی حرکت میں آنے لگی،، (ص: ۱۸۸)

لیکن وہ نقطہ نظر جس کی روشنی میں عرب موجودہ مواد کو کام میں لاتے تھے یونانیوں کے نقطہ نظر کے بالکل متضاد تھا یہ نقطہ نظر بعینہ وہ چیز مہیا کرتا تھا جس کا فقدان یونانیوں کے ذہن کا کمزور اور ناقص پہلو تھا۔ یونانیوں کی دلچسپی کا مرکز نظریہ آفرینی اور اصول سازی تھے وہ ٹھوس مشاہداتی حقائق سے بے پرواہ تھے اور ان کو نظر انداز کرتے تھے اس کے برعکس عرب محققین کا ذوق دریافت نظریہ آفرینی سے بے پرواہ تھا اور اس کا مقصد ٹھوس حقائق کو بہم پہنچانا اور اپنی معلومات کو صحت اور کثرت کے معیاروں پر لانا تھا۔ معتبر اور پائیدار سائنس اور

ایک ڈھیلے ڈھالے سائنسی ذوق میں جو چیز فرق پیدا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ کہنے والا کیفیت نہیں بلکہ کمیت بیان کر رہا ہے اور اپنی پیمائش کو ہر ممکن طریق سے درست کرنے کے لئے بے تاب ہے۔ عربوں کا سارا وسیع و عریض سائنسی کام اسی معروضی تحقیق اور کمیتی صحت و صفائی کے ذوق کے زیر اثر انجام پاتا رہا ہے۔ روجر بیکن نے آکسفورڈ اسکول میں ان لوگوں کے جانشینوں کے ماتحت عربی زبان اور عربی سائنس کا علم حاصل کیا تھا۔ نہ روجر بیکن اور نہ ہی اس کا دوسرا ہم نام اس بات کا اہل ہے کہ اسے سائنسی طریق تحقیق کے موجد ہونے کا اعزاز بخشا جائے، روجر بیکن تو محض عیسائی یورپ کے لئے مسلمانوں کی سائنس کے سفیروں یا پیام رسانوں میں سے ایک تھا اور وہ کبھی یہ کہتے ہوئے نہ تھکتا تھا کہ عربی زبان اور عربی سائنس کا سیکھنا اس کے ہم عصروں کے لئے سچے علم کا ایک ہی راستہ ہے۔ یہ بحثیں کہ سائنسی طریق تحقیق کا موجد کون تھا یورپی تہذیب کے سرچشموں کے بارے میں ایک بہت بڑی غلط بیانی پر مشتمل ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ بیکن سے پہلے عربوں کا تجرباتی طریق تحقیق عام ہو چکا تھا اور یورپ بھر میں اس کا تتبع نہایت ذوق و شوق سے کیا جاتا تھا،۔

مسلمانوں کو یہ امتیاز کیسے حاصل ہوا؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کا سبب کیا ہے کہ دنیا تمام قوموں میں سے فقط مسلمانوں کو ہی یہ امتیاز نصیب ہو سکا کہ انہوں نے قدرت کے گہرے مشاہدہ اور مطالعہ کو اپنا شعار بنایا۔ یہاں تک کہ وہ اس قابل ہوئے کہ سائنسی طریق تحقیق ایجاد کریں اور سائنسی علوم کی بنیاد رکھیں۔ قرآن کی تعلیم پر سرسری نگاہ ڈالنے سے بھی اس بات میں ذرا شک باقی نہیں رہتا کہ اس کا سبب خود قرآن حکیم ہے جس کے قریباً ایک تہائی حصہ میں قدرت کے گونا گوں مظاہر کی طرف توجہ دلا

کر کائنات کے مشاہدہ اور مطالعہ پر زور دیا گیا ہے۔ دراصل مشاہدہ و مطالعہ قدرت کے لئے سب سے پہلی موثر آواز جو دنیا میں بلند کی گئی ہے وہ قرآن ہی کی آواز ہے۔

مشاہدہ اور مطالعہ قدرت کی قرآنی دعوت

قرآن نے مشاہدہ اور مطالعہ قدرت پر کیوں زور دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کی تعلیم کا نچوڑ یہ ہے کہ خدا کی محبت انسان کی فطرت میں رکھی گئی ہے اور جب تک انسان خدا کی ستائش، عبادت اور اطاعت کے ذریعہ سے خدا کی محبت کا اظہار نہ کرے اس کی شخصیت نشوونما پا کر اپنے کمال کو نہیں پہنچ سکتی اور اس زندگی میں اور آنے والی زندگی میں ان مسرتوں اور راحتوں کو نہیں پاسکتی جو اس کے کمال کے ساتھ وابستہ ہیں۔ خدا کی محبت کے ذریعہ سے انسانی شخصیت کی تکمیل ہی مقصد کائنات ہے لیکن خدا کی محبت جو انسان کی فطرت میں ہے خدا کی معرفت کے بغیر بیدار نہیں ہوتی اور خدا کی معرفت حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان خدا کی صنعت یعنی کائنات کو دیکھے، اس پر غور و فکر کرے اور اس کے ذریعہ سے اس کے صانع کے اوصاف، اور محاسن اور کمالات کو جانے اور پہچانے۔ کائنات کا خود بخود وجود میں آنا انسان کی سمجھ میں نہیں آسکتا تو پھر جس ہستی نے کائنات پیدا کی ہے اسکے وجود اور صفات کی شہادت اس کائنات سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے۔

أفی اللہ شک فاطر السماوات والارض

کیا خدا میں شک ہے جو کائنات کا خالق ہے۔

صنعت کے اندر صانع کی تمام صفات جلوہ گر ہوتی ہیں اور اس کی صنعت سے

اس کے مقاصد اور عزائم اور اس کی قابلیتوں اور اہلیتوں کا پتہ چلتا ہے۔ اگرچہ خدا

کی شخصیت انسان کی آنکھوں سے مخفی ہے تاہم اسکی صفات حسن کی کار فرمایاں انسان کی آنکھوں کے سامنے آشکار ہیں۔ جسمانی اور مادی آنکھوں سے مخفی رہنا شخصیت کا خاصہ ہے خواہ شخصیت انسان کی ہو یا خدا کی۔ لیکن جس طرح ہمارے لئے کسی ایسے انسان کی شخصیت کو بھی جو بعد میں ہمارے جاننے اور پہچاننے کی وجہ سے ہمارا بہترین دوست بن جانے والا ہو۔ جاننے اور پہچاننے کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ ہم اسکی اندرونی مخفی صفات کے مظاہر کا جو اسکے اعمال و افعال کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ مشاہدہ اور مطالعہ کریں اسی طرح سے خدا کی شخصیت کو جاننے اور پہچاننے کی بھی صرف یہی ایک صورت ہے کہ ہم اسکی مخفی صفات کے مظاہر کا جو قدرت کے حالات اور واقعات اور اعمال و افعال کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ مشاہدہ اور مطالعہ کریں۔

خدا کے خالق کائنات ہونے کے معنی یہ ہیں کہ خدا کائنات کے اندر اپنی صفات کے ذریعہ سے موجود ہے اور کائنات اور خدا ایک دوسرے سے الگ الگ نہیں ہو سکتے۔ یہ کائنات سوائے اس کے اور کچھ بھی نہیں کہ خدا کی صفات کی ایک مرئی شکل ہے۔ اگر خدا کی صفات کا ظہور جو کائنات میں ہے غائب ہو جائے تو پوری کائنات ہی فنا ہو جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم جہاں مومنین سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہوئے خدا کا ذکر کریں۔ وہاں ان سے اس بات کی بھی توقع رکھتا ہے کہ وہ کائنات کی تخلیق (خلق السماوات والارض) پر غور و فکر کریں۔

الذین یذکرون اللہ قیاما و قعودا او علی جنوبہم ویتفکرون

فی خلق السماوات والارض ، ربنا ما خلقت هذا باطلا

سبحانک فقنا عذاب النار

(ترجمہ) ”اور وہ لوگ جو خدا کا ذکر کرتے ہیں کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اور اپنے

پہلوؤں پر لیٹے ہوئے اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور و فکر کرتے ہیں (یہاں تک کہ پکار اٹھتے ہیں) اے ہمارے رب، یہ کائنات (جس میں ہم بھی ہیں اور جس کا ذرہ ذرہ تیری صفات حسن کا آئینہ دار اور تیری خالقیت اور ربوبیت کا گواہ ہے) تو نے اپنے سچے مقصد کے بغیر پیدا نہیں کی پس (ہمیں کائنات کے اندر اپنے مقصد کے ساتھ اعتقادی اور عملی مطابقت کی توفیق عطا فرما کر) آگ کے عذاب سے بچائیو۔۔۔

اور یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم مظاہر قدرت کو خدا کی ہستی اور صفات خالقیت و ربوبیت کی نشانی (آیت) کہتا ہے۔

ان فی خلق السماوات والارض واختلاف الليل والنهار لآیت
لاولی الالباب

(ترجمہ) اس میں شک نہیں کہ کائنات کی تخلیق میں اور رات اور دن کے اختلافات میں عقلمندوں کیلئے (خدا کی ہستی اور صفات کی) نشانیاں ہیں۔

وفی الارض آیات للموقنین وفی انفسکم افلاتبصرون
(ترجمہ) یقین کرنے والوں کے لئے روئے زمین پر خدا کی ہستی اور صفات کے بہت سے نشانات ہیں اور تمہارے نفوس میں بھی۔

وآیة لهم الارض المیتة احیاناها و اخرجنا منها حبا فمنه یا
کلون

(ترجمہ) ایک نشان ان کے لئے یہ ہے کہ ہم نے مردہ زمین کو زندہ کیا اور اس سے دانے اگائے جن کو وہ اپنی خوراک کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

ان فی خلق السماوات والارض واختلاف الليل والنهار
والفلك التى تجرى فی البحر ، بما ینفع الناس وما انزل الله من
السما من ماء فاحیا به الارض بعد موتها وبث فیها من کل

دابة وتصريف الرياح والسحاب المسخر بين السماء والارض
لايت لقوم يعقلون

(ترجمہ) بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات اور دن کے تغیر میں اور کشتی میں، جو سمندر میں لوگوں کو نفع دینے والے تجارتی مال کو لے کر چلتی ہے اور اس بات میں کہ خدا آسمان سے پانی نازل کرتا ہے۔ پھر اس سے زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے اور اس بات میں کہ اس نے زمین کے اوپر ہر قسم کے جاندار پھیلا دئے ہیں اور ہواؤں کی تبدیلیوں میں اور بادل میں جو آسمان اور زمین کے درمیان ٹھہرا دیا جاتا ہے۔ عقلمندوں کے لئے نشانات ہیں۔

ومن آيته ان خلقكم من تراب ثم اذا انتم بشر تنتشرون ومن آيته ان خلق لكم من انفسكم ازواجا لتسكنوا اليها وجعل بينكم مودة ورحمة . ان في ذلك لايت لقوم يتفكرون .

(ترجمہ) اور اس کے نشانات میں سے ایک یہ ہے کہ تمکو مٹی سے پیدا کیا اور تم انسان بن کر زمین پر پھیل گئے اور اس کے نشانات میں سے ہی تمہارے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم اپنی بیوی سے سکون قلب حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی پیدا کی۔ بیشک اس بات میں غور کرنے والوں کے لئے نشانات ہیں۔

ومن آيته خلق السماوات والارض واختلاف السننكم والوانكم ان في ذلك لايت للعالمين . ومن آيته مناكم بالليل والنهار وابتغاءكم من فضله ان في ذلك لايت لقوم يسمعون

(ترجمہ) اور اسکے نشانات میں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور تمہارے رنگوں اور زبانوں کا اختلاف ہے بیشک اس میں اہل عالم کے لئے نشانات ہیں اور

اس کے نشانات ہی سے تمہارا دن اور رات کا سونا اور رزق کی صورت میں اسکے فضل کی جستجو کرنا ہے۔ بیشک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانات ہیں جو سنتے ہیں۔

وآية لهم ان حملنا ذريتهم في الفلك المشهون

(ترجمہ) اور اس بات کے لئے خدا کی (ہستی اور صفات) کا ایک نشان ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کر دیا۔

حواس سے کام لے کر مظاہر قدرت کا مشاہدہ کرنا اور دل سے کام لے کر ان پر غور و فکر کرنا اور ان سے صحیح صحیح نتائج اخذ کرنا مسلمانوں پر فرض قرار دیا گیا کیونکہ ایسا کرنا قرآن کے نزدیک صحیح عقائد اور صحیح اعمال کی بنیاد ہے۔ جو لوگ آنکھیں تو رکھتے ہیں، لیکن دیکھتے نہیں، کان تو رکھتے ہیں لیکن سنتے نہیں اور دل رکھتے ہیں لیکن سوچتے نہیں ان کو چوپایوں سے بدتر اور عذاب جہنم کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔

ولقد ذرانا لجهنم كثير من الجن والانس لهم قلوب لا يفتقون بها ولهم اعين لا يبصرون بها ولهم اذان لا يسمعون بها هم كالانعام بل هم اضل

(ترجمہ) اور بیشک ہم بہت سے ایسے جنوں اور انسانوں کو جہنم کی طرف ہانک دیں گے جن کے دل ہیں لیکن ان سے سوچتے نہیں، آنکھیں ہیں لیکن ان سے دیکھتے نہیں۔ کان ہیں لیکن ان سے سنتے نہیں۔ وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔

جو لوگ اپنے حواس سے کام نہیں لیتے اور اپنے دلوں سے نہیں سوچتے یا تعصب کی وجہ سے غلط سوچتے ہیں ان سے اپنی ان قوتوں کو ضائع کرنے کے لئے باز پرس کی جائے گی۔

ان السمع البصر والنفوس كل اولئك كان عنه مستو لا

(ترجمہ) بیشک کان اور آنکھ اور دل ان سب سے پوچھا جائیگا

قرآن حکیم نے آسمانوں اور زمین میں مظاہر قدرت کو دیکھنے کے بعد ان پر غور و فکر کے بغیر آگے گزر جانے سے منع کیا ہے۔ کہ ایسا کرنے سے خدا کی معرفت کے مواقع ہاتھ سے نکل جاتے ہیں۔ اور انسان کی محبت اور شخصیت کا ارتقا نہیں ہوتا۔

وكان من آية في السماوات والارض يمرون عنها وهم

معرضون۔

(ترجمہ) آسمانوں میں اور زمین میں کتنے ہی نشانات (خدا کی ہستی اور صفات

حسن کے) ایسے ہیں کہ یہ ان سے گذرتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں (اور ان پر

غور و فکر نہیں کرتے)

کسی مظہر قدرت یا آیۃ اللہ پر غور و فکر ترک کر دینا اس سے پہلے کہ اسکی حقیقت پوری طرح سے منکشف ہو یہ بھی اس سے اعراض ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کو یہ حکم ہے کہ جب موجودات قدرت میں سے کوئی چیز اس کے نوٹس میں آئے تو اسے نظر انداز نہ کرے بلکہ اس کے مشاہدہ اور مطالعہ کا حق ادا کرے اسکی حقیقت اور اصلیت کو پوری طرح سے سمجھے اور خدا کی حکمتیں جو اس کے اندر پوشیدہ ہیں ان سے پوری طرح واقف ہونے کی کوشش کرے۔ گویا جب تک کسی چیز کی حقیقت پوری طرح سے واضح نہ ہو جائے۔ مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اپنی تحقیق و تجسس کو جاری رکھے۔ حضور ﷺ نے امت کو ایک دعا سکھائی ہے جو اس مطلب کی تائید کرتی ہے

اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا

وارزقنا اجتنابه اللهم ارنا الاشياء كما هي

(ترجمہ) اے خدا ہم کو صداقت بطور صداقت کے دکھا اور اسکی پیروی کرنے کی توفیق دے اور جھوٹ بطور جھوٹ کے دکھا اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔ اے خدا ہمیں اشیا کو اسی طرح سے دکھا جیسی وہ درحقیقت ہیں۔

حضور ﷺ کی یہ دعا گویا سائنسی طریق تحقیق کی حمایت کرتی ہے کیونکہ سائنسی طریق تحقیق جو اس بات پر زور دیتا ہے کہ مشاہدہ کے نتائج کو کامل احتیاط سے اخذ کیا جائے اور انتہائی طور پر درست کرنے کی کوشش کی جائے۔ اسکا مقصد یہی ہے کہ اشیاء ویسی ہی نظر آئیں جیسی کہ وہ درحقیقت ہیں۔

تفکر فی الخلق کے قرآنی ارشاد پر عمل کا لازمی نتیجہ سائنسی علوم کی تخلیق اور تکمیل ہے۔

قرآن کی رو سے خدا کی خالقیت اور ربوبیت کے نشانات کائنات کی تینوں سطحوں پر موجود ہیں۔ مادی دنیا کے مظاہر قدرت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے قرآن حکیم، چاند، سورج اور ستاروں کی حرکت کا، برق و سحاب کا، ہواؤں کے چلنے کا، اختلاف لیل و نہار کا، مینہ برسنے کا، چاند کے گھٹنے بڑھنے کا، پہاڑوں کا، زمین کی ہموار سطح کا، پہلے آسمان اور زمین کے یکجا ہونے اور پھر الگ الگ ہونے کا اور اس طرح کے اور مظاہر قدرت کا ذکر کر کے ان کے مشاہدہ اور مطالعہ کی دعوت دیتا ہے۔ اگر ہم ان مظاہر قدرت کے مشاہدہ اور مطالعہ کا حق ادا کر کے ان کی حقیقت اور اصلیت کو پوری طرح سے سمجھ لیں اور ان کے تمام رموز و اسرار سے اور خدا کی ان تمام حکمتوں سے جو ان کے اندر پوشیدہ ہیں پوری طرح آگاہ ہو جائیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام طبیعیاتی علوم (physical sciences) وجود میں آجائیں گے۔ اس کی وجہ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے یہ ہے کہ تمام سائنسی حقائق ایک سلسلہ یا نظام بناتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ علمی اور عقلی ربط رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کی طرف دلالت اور راہ نمائی کرتے ہیں۔

اسی طرح سے حیاتیاتی دنیا کے مظاہر قدرت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے قرآن حکیم زمین سے روئیدگی کے نمودار ہونے کا، لہلہائی کھیتوں کا، غلہ کے پیدا ہونے کا، مختلف رنگوں اور ذائقہ کے پھلوں کا، پانی سے ہر جاندار کے زندہ ہونے کا، کیچڑ سے انسان کی تخلیق کے آغاز کا، زمین سے نسل انسانی کے اگنے کا، زمین میں ہر قسم کے جانداروں کے پھیل جانے کا، پرندوں کے اڑنے کا، سواری کے کام آنے والے اور دودھ دینے والے چوپایوں کا، نباتات اور حیوانات کے ازواج کا، اونٹ کی حیرت انگیز جسمانی ساخت کا، انسان کے قوت فہم اور دید و شنید کا اور ماں کے رحم میں انسانی جنین کی حالتوں کے تدریجی تغیر کا اور اسی طرح سے دوسرے مظاہر قدرت کا ذکر کر کے ان کے مشاہدہ اور مطالعہ کی دعوت دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر ہم ان مظاہر قدرت کا پورا مشاہدہ اور مطالعہ کریں یہاں تک کہ ان کے تمام رموز و اسرار سے آشنا ہو جائیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام حیاتیاتی علوم (Biological Sciences) مکمل طور پر وجود میں آجائیں گے۔

پھر اسی طرح سے نفسیاتی یا انسانی دنیا کے مظاہر قدرت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے قرآن حکیم انسانی تاریخ کے بعض اہم واقعات اور قوانین کا اور انسانی فطرت کے بعض بنیادی قواعد اور حقائق کا ذکر کرتا ہے۔ مثلاً قرآن حکیم ہمیں بتاتا ہے کہ کس طرح سے تاریخ عالم میں پے در پے ایسے انسانوں کا ظہور ہوتا رہا جنہوں نے کہا کہ وہ خدا کے رسول ہیں اور لوگوں کو یہ بتانے آئے ہیں کہ ان کا سچا معبود خدا ہے جو اس کائنات کا خالق ہے کس طرح سے رسول کی دعوت کو بعض لوگوں نے قبول کر لیا اور بعضوں نے قبول نہ کیا۔ کس طرح سے قبول کرنے والوں کے دل اطمینان سے بھر گئے یہاں تک کہ وہ خدا کے لئے طرح طرح کی مصیبتیں اور تکلیفیں اٹھانے بلکہ مرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ کس طرح سے انکار کرنے والوں کو تباہی اور بربادی کا سامنا کرنا پڑا یہاں تک کہ وہ نیست و نابود ہو

گئے۔ کس طرح سے خدا کی محبت یا دین انسان کی فطرت میں ہے جو لازوال اور غیر
مبدل ہے۔ کس طرح سے خدا کی عبادت انسان کے دل کو مطمئن کرتی ہے۔
کس طرح سے نوع انسانی اپنی فطرت کے اصلی تقاضوں کو بھولنے اور مختلف قسم
کے غلط اور جھوٹے معبودوں کو اپنانے کی وجہ سے ٹکڑوں میں بٹ گئی ہے اور کس
طرح سے ان کے اتحاد کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ وہ اپنے سچے معبود کے
سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔ کس طرح سے انسان کے دل میں نیک و بد، درست
اور نادرست اور خوب و زشت کو پرکھنے کا ایک معیار موجود ہے جو خواہ انسان اس
سے گریز کے بہانے بنا تا رہے ہر وقت اپنا کام کرتا رہتا ہے۔ پھر انسانی لاشعور کے
بعض ایسے وظائف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جن کو ماہرین نفسیات نے حال
ہی میں سمجھا ہے۔ قرآن حکیم ہمیں بتاتا ہے کہ کس طرح سے انسانی فرد کے تمام
چھوٹے اور بڑے اعمال اسکے وجود میں ایک نامہ اعمال کی صورت میں محفوظ رہتے
ہیں اور کس طرح سے یہ نامہ اعمال موت کے بعد انسان کے سامنے کھل جائیگا اور
وہ کہے گا کہ میرا کوئی چھوٹا یا بڑا فعل ایسا نہیں جو اس کے اندر لکھنا نہ گیا ہو و علی
ہذا القیاس۔ اگر ہم ان حقائق کا پورا پورا تجزیہ کریں اور انکے معانی اور مطالب اور
ان کے نتائج اور مضمرات اور اسباب اور عوامل پر پوری طرح سے حاوی
ہو جائیں تو تمام انسانی اور نفسیاتی علوم (Human Sciences) اپنی پوری
تفصیلات کے ساتھ وجود میں آجاتے ہیں۔

گویا اگر ہم قرآن حکیم کے اس ارشاد پر کہ مظاہر قدرت پر پوری طرح سے
غور و فکر کر کے عمل کریں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمام سائنسی علوم
آیات اللہ کے ایک سلسلہ کے طور پر وجود میں آجاتے ہیں۔ مسلمانوں نے جو
سائنسی طریق تحقیق ایجاد کیا تھا اور سائنسی علوم کی بنیاد رکھی تھی اسکی اصل
قرآن کی یہی تعلیم ہے۔

منکرین خدا کا مشاہدہ و مطالعہ کائنات

شاید یہاں یہ سوال کیا جائے گا کہ اگر مظاہر قدرت آیات اللہ ہیں تو کافر یا دہریہ قسم کے سائنسداں جو مظاہر قدرت کا مشاہدہ اور مطالعہ کرتے ہیں خدا پر ایمان کیوں نہیں لے آتے اسکی وجہ یہ ہے کہ ایک منکر خدا کا دل غیر اللہ کی محبت سے معمور ہوتا ہے۔ لہذا وہ مظاہر قدرت کو اس غلط محبت کی روشنی میں دیکھتا ہے اور ان کو اپنے غلط معبود کے ساتھ متعلق کرنے کی کوشش کرتا ہے چونکہ اس کا تصور حقیقت غلط ہوتا ہے وہ مظاہر قدرت کو دیکھ کر ان سے صحیح نتائج اخذ نہیں کر سکتا ظاہر ہے کہ اگر مظاہر قدرت آیات اللہ یعنی خدا کی ہستی اور اسکی صفات، خالقیت اور ربوبیت پر دلالت کرنے والے نشانات ہیں تو ان کو آیات اللہ کے طور پر یعنی خدا کی خالقیت اور ربوبیت کے عقیدہ کی روشنی میں ہی ٹھیک طرح سے سمجھا جاسکتا ہے۔ اگر ہم ان کے مشاہدہ اور مطالعہ کو خدا کے عقیدہ سے الگ کر دیں تو ان کو ٹھیک طرح سے نہیں سمجھ سکیں گے کیونکہ اس صورت میں ہم ان کو کسی اور قائم مقام عقیدہ کی روشنی میں یعنی کسی جھوٹے خدا کے عقیدہ کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کریں گے مثلاً مادہ کو ہی ایک قادر مطلق خالق اور رب سمجھ لیں گے اور چونکہ یہ عقیدہ غلط ہو گا وہ ہماری غلط راہ نمائی کرے گا اور ان کے مشاہدہ اور مطالعہ سے ہم جن نتائج تک پہنچیں گے وہ غلط یا ناقص اور ناقص ہوں گے۔

آنکھوں کی بینائی اور دل کا اندھا پن

قرآن کی رو سے خدا کائنات کا نور ہے (اللہ نور السموات والارض) اس نور سے کائنات کا ایک ایک ذرہ روشن ہے اگر ہم اس نور کے بغیر کائنات کو سمجھنے کی کوشش کریں گے تو ہمارا حال ایسا ہی ہو گا جیسے کوئی شخص رات کے وقت کسی

کمرہ کے برقی قمقمے کو بجھا کر گھٹا ٹوپ اندھیرے میں چیزوں کو ٹٹولتا پھرے۔ ایک مومن کو مظاہر قدرت میں تخلیق اور تربیت اور تحفظ اور تحسین اور جمیل اور تنظیم اور رحمت اور عدل اور حکمت اور علم اور قدرت اور زندگی اور بصارت اور سماعت کے آثار آشکار نظر آتے ہیں اس لئے اس کا یہ یقین اور محکم ہو جاتا ہے کہ اس کائنات کا کوئی خالق ہے جو رب اور رحیم اور قدیر اور حفیظ اور جمیل اور حکیم اور علیم اور قدیر اور سمیع اور بصیر اور حی و قیوم ہے۔ اور اسے یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کی کوئی منکر خدا یہ کہے کہ کائنات میں تخلیق تو موجود ہے لیکن کوئی خالق نہیں، ربوبیت تو موجود ہے لیکن کوئی رب نہیں، تحفظ موجود ہے لیکن کوئی حفیظ نہیں، جمال موجود ہے لیکن کوئی جمیل نہیں، اور رحمت اور عدل اور حکمت اور علم اور قدرت اور زندگی اور بصارت اور سماعت تو موجود ہیں لیکن کوئی رحیم یا عادل یا علیم یا قدیر یا سمیع و بصیر و حی و قیوم نہیں۔ لیکن یہ بات منکر خدا کے بس کی نہیں۔ اسکو کائنات میں نہ خدا کی صفات نظر آسکتی ہیں نہ خدا، کیونکہ اس کے دل کی فطری محبت جو سچے خدا کے لئے پیدا کی گئی تھی کسی اور جھوٹے خدا کے لئے مصروف کار ہے۔ لہذا سچے خدا کے لئے مہیا نہیں ہو سکتی۔ وہ حقائق کی غلط ترجمانی کرتا ہے کیونکہ اسکی آنکھیں تو دیکھتی ہیں لیکن دل نہیں دیکھتا۔ اسی حالت کے متعلق قرآن حکیم نے فرمایا ہے کہ جو لوگ مظاہر قدرت کا مشاہدہ اور مطالعہ کرنے کے بعد بھی غلط نتائج پر پہنچتے ہیں ان کی آنکھیں تو اپنا کام کرتی ہیں لیکن دل نہیں دیکھتے۔

فانہا لا تعمی الابصار ولكن تعمی القلوب التی فی الصدور
(ترجمہ) آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں (وہ سب کچھ دیکھتی ہیں) لیکن دل جو
سینوں میں ہیں اندھے ہو جاتے ہیں) (کہ غلط سوچتے اور مشاہدات سے غلط
نتائج نکالتے ہیں)

اقبال نے اسی مضمون کو ایک شعر میں ادا کیا ہے:

دلِ بیبا بھی کر خدا سے طلب
آنکھوں کا نور دل کا نور نہیں

قرآن حکیم کی اس آیت میں اور اقبال کے اس شعر میں بھی دلِ بیبا سے مراد ایسا دل ہے جس میں خدا کی محبت کا فطری جذبہ ابھی غیر اللہ کی محبت کے لئے اس طرح سے صرف نہ ہوا ہو کہ پھر خدا کی محبت کے لئے مہیا نہ ہو سکے یعنی جس میں غیر اللہ کی غیر فطری محبت سے بے اطمینانی ابھی باقی ہو جیسی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کی بے اطمینانی تھی کہ وہ کسی ستارے، چاند یا سورج کو زیادہ دیر تک اپنا رب نہ مان سکے۔

انسان کی فطرت اس طرح سے بنائی گئی ہے کہ جہاں بھی جس وقت بھی اور جس وقت تک بھی وہ سچے خدا کے عقیدہ سے الگ رہے اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس جگہ اس وقت اور اس وقت تک وہ سچے خدا کے عقیدہ کی بجائے عملی طور پر کسی اور خدا یعنی جھوٹے خدا کے عقیدہ کو اختیار کرے اور اسی کو کائنات کا خالق اور مالک اور رب سمجھے، خواہ زبانی طور پر اس بات کا اعتراف کرے یا نہ کرے۔ نظریاتی غیر جانبداری یا بے یقینی انسان کے لئے ناممکن ہے انسان کا دل کبھی کسی معبود یا خدا کے بغیر نہیں رہ سکتا اور انسان کوئی عمل ایسا نہیں کر سکتا جو اس کے دل سے سرزد نہ ہو۔ جب سچے خدا کا عقیدہ انسان کے دل سے ہٹ جائے تو اسی وقت کسی جھوٹے خدا کا متبادل عقیدہ اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ اگر انسان کا کوئی عمل (خواہ اسکی نوعیت روحانی ہو یا علمی یا اخلاقی یا جمالیاتی) سچے خدا کے عقیدہ کے ماتحت سرزد نہ ہو تو وہ کسی جھوٹے خدا کے عقیدہ کے ماتحت سرزد ہوتا ہے اور غلط ہوتا ہے۔ اسی لئے قرآن کی تعلیمات کے مطابق بتوں سے عملی کفر کرنا خدا پر عملی ایمان لانے کی لازمی شرط ہے۔

ومن يكفر با لطاغوت ويومن بالله فقد استمسك
بالعروة الوثقى

(ترجمہ) جو شخص طاغوت سے کفر کرے اور اللہ پر ایمان لائے وہ ایک ایسے
مضبوط حلقہ کو گرفت میں لیتا ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔

ہر قسم کے بتوں سے انکار خدا کے اقرار کی ایک ایسی شرط ہے جو انسان کی
فطرت نے اس پر عائد کر رکھی ہے۔ اس سے گریز سائنسداں کے لئے سائنسی
تحقیقات اور تعلیمات کے میدان میں بھی ممکن نہیں۔

قرآن کے فلسفہ سائنس کی بنیادیں

ان مفروضات سے ظاہر ہے کہ علم کائنات کے متعلق قرآن کے فلسفہ کی
بنیاد یہ ہے کہ مصنوع کا علم بغیر صانع کے، اور صانع کا علم بغیر مصنوع کے ممکن
نہیں دونوں ایک دوسرے کے علم کے لئے لازم اور ملزوم ہیں کیونکہ مصنوع
صانع کے داخلی محاسن اور کمالات کا ایک خارجی مظہر ہوتا ہے لہذا صانع کی صفات
کا علم مصنوع کے صفات کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ کائنات مصنوع اور مخلوق ہے اور
خدا صانع اور خالق ہے۔ لہذا کائنات کا صحیح علم خدا کے علم کے بغیر حاصل نہیں ہو
سکتا۔ اگر ہم خدا کی معرفت چاہتے ہیں تو ہمیں کائنات پر جو خدا نے پیدا کی ہے غور
و خوض کرنا پڑے گا یہاں تک کہ ہم اس کے اندر خدا کی صفات خالقیت و ربوبیت
کا جلوہ دیکھ لیں۔ اور اگر ہم کائنات کو ٹھیک طرح سے سمجھنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس
کا مشاہدہ اور مطالعہ اس عقیدہ کی روشنی میں کرنا پڑے گا کہ خدا اس کا خالق اور
رب ہے اور اس کی صفات اس میں جلوہ افروز ہیں۔

مظاہر قدرت آیات اللہ کیوں ہیں

شاید یہاں یہ سوال کیا جائے گا کہ اگر مظاہر قدرت خدا کے عقیدہ کی طرف

راہ نمائی نہیں کرتے بلکہ خدا کا عقیدہ اور مظاہر قدرت دونوں بیک وقت ایک دوسرے کی صحیح حقیقت کی طرف راہ نمائی کرتے ہیں تو پھر وہ آیات اللہ کس طرح سے ہیں۔ لیکن یہ اعتراض قرآن حکیم کے طریق تعلیم کو جو انسان کی فطرت کے حقائق پر مبنی ہے نظر انداز کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ مظاہر قدرت آیات اللہ اس لئے نہیں ہیں کہ وہ خود بخود کسی منکر خدا کے لئے خدا کی صفت خالقیت اور ربوبیت کا منطقی یا استدلالی ثبوت بہم پہنچاتے ہیں۔ بلکہ وہ آیات اللہ اس لئے ہیں کہ ان کی سچی حقیقت جو علمی اور عقلی طور پر سچی ہو صرف خدا کی خالقیت اور ربوبیت کے عقیدہ سے عقلی اور علمی مطابقت رکھتی ہے لیکن ان کی سچی حقیقت کو جاننے کے لئے بھی حقیقت کائنات کے صحیح تصور کی صورت میں ایک ذہنی پس منظر یا صحیح فلسفہ کی ضرورت ہے کیونکہ اگر یہ پس منظر غلط ہوگا تو وہ ایک حجاب بن جائیگا جو ان کی سچی حقیقت کو نظروں سے اوجھل کر دے گا۔

کیا سائنس کے لئے کسی عقیدہ کا پس منظر

ضروری ہے؟

حقیقت کائنات مادہ ہے یا خدا۔ ہم اس سوال کا جواب جو بھی دیں گے ہمارے پیدا کئے ہوئے سائنسی علوم اس نوعیت کے ہوں گے کہ وہ ہمارے اس جواب کے ساتھ مطابقت رکھیں گے۔ ہماری سائنس ہمارے حقیقت کائنات کے تصور سے الگ کوئی صورت اختیار نہیں کر سکتی۔ سائنس ہمیشہ حقیقت کائنات کے کسی تصور کے گہوارہ میں پرورش پاتی ہے اور ظاہر ہے کہ اگر یہ تصور صحیح ہوگا تو سائنس کی ترقی یا پرورش اپنے کمال کو پہنچے گی ورنہ رک جائے گی۔ یہی سبب ہے کہ اب یہ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ سائنس کا فلسفیانہ پس منظر مارکسزم کا عقیدہ ہے اور سرمایہ دارانہ نظام کے حامی ممالک میں سائنس کا فلسفیانہ پس منظر

یہ عقیدہ ہے کہ اگر خدا کا عقیدہ سائنس کی بنیاد بنایا جائے تو سائنس کی نشوونما اپنے کمال کو نہیں پہنچتی۔

قرآن کا طریق تعلیم

قرآن حکیم کا طریق تعلیم فطرت کے مطابق ہے اور وہ یہ نہیں کہ وہ اپنے مخاطب کو قائل کرنے کے لئے صغریٰ اور کبریٰ کے سانچوں میں ڈھلی ہوئی منطقی دلائل دیتا ہے بلکہ یہ ہے کہ وہ اپنے مخاطب کے وجدان کو بیدار کرتا ہے جس سے وہ براہ راست ایک ایسی حقیقت کا مشاہدہ یا احساس کر لیتا ہے جس کی طلب اس کے فطرت میں پہلے ہی سے موجود ہوتی ہے۔

بل هو آیات بینت فی صدور الذین اوتوا العلم
(ترجمہ) بلکہ قرآن ایسی واضح آیات پر مشتمل ہے جو دانا یا ن راز کے سینوں میں پہلے ہی سے موجود ہیں۔

جس خدا نے قرآن نازل کیا ہے اسی نے انسان کو پیدا کیا ہے اور وہ جانتا ہے کہ اس نے اپنی محبت انسان کی فطرت میں رکھی ہوئی ہے اور اس کی یہی فطری لا شعوری محبت اسے خدا کی طرف راہ نمائی کرے گی۔ جب انسان کسی جھوٹے خدا کو مانتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس کا وجدان غلطی سے شہادت دیتا ہے کہ وہ سچا خدا ہے اور وہ اس غلط وجدانی شہادت کو فی الفور قبول کر لیتا ہے تاکہ اپنی فطرت کے ایک زور دار اور ناقابل التوافقاضا کو پورا کرے۔ عقلی یا منطقی ثبوت کی بنا پر نہ انسان اپنے جھوٹے خدا کو مانتا ہے اور نہ سچے خدا کو۔ لہذا قرآن حکیم منکر خدا کے لئے خدا کی ہستی اور صفات کا استدلال یا منطقی ثبوت نہیں دیتا۔ کیونکہ سننے والے نے ایک جھوٹا خدا پہلے ہی سے استدلالی یا منطقی ثبوت کے بغیر مان رکھا ہوتا ہے۔ قرآن حکیم جب انسان کو دعوت دیتا ہے کہ مظاہر قدرت کا مشاہدہ اور

مطالعہ آیات اللہ کے طور پر کرو تو اس کا مقصود دراصل یہ ہوتا ہے کہ مظاہر قدرت کا مشاہدہ اور مطالعہ کر کے یہ دیکھو کہ آیا یہ مظاہر تمہارے جھوٹے خدا کی صفات کے ساتھ علمی اور عقلی مناسبت رکھتے ہیں یا اس سچے خدا کی صفات کے ساتھ جس کی طرف قرآن تمہیں بلاتا ہے اور جس کی محبت اور طلب تمہاری فطرت میں ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اگر انسان مظاہر قدرت کا مطالعہ آیات اللہ کے طور پر کرے تو یہ عمل اس کی جستجو کی منزل کا سراغ اور اسکے فطرتی جذبہ محبت کی تشفی کا سامان بن جائے گا قرآن جب یہ کہتا ہے کہ انسان کا سچا مقصود، معبود یا مطلوب خدا ہے تو وہ کوئی نئی بات نہیں کہتا بلکہ وہی حقیقت بیان کرتا ہے جو انسان کی فطرت میں غفلتوں کے بوجھ سے دبی ہوئی اور تعصبات کے پردوں میں چھپی ہوئی موجود ہے اور جو خود ابھرنا اور بے نقاب ہونا چاہتی ہے۔ قرآن کائنات کے مشاہدہ اور مطالعہ کی دعوت دے کر اس مخفی اور سوئی ہوئی حقیقت کو آشکار اور بیدار کرتا ہے۔

ایک مثال سے

قرآن کے فلسفہ سائنس کی وضاحت

قرآن کا یہ نقطہ نظر کہ کائنات جو مصنوع اور مخلوق ہے اور خدا جو اس کا صانع اور خالق ہے ایک دوسرے کی روشنی میں پوری طرح سمجھے جاسکتے ہیں کس قدر معقول ہے اس کا اندازہ ایک مثال سے ہو سکے گا۔ فرض کیجئے کہ کسی اور دنیا کا رہنے والا ایک سائنس دان دن کے وقت زمین پر کسی ایسی جگہ جہاں سورج نصف النہار پر ہے یکایک خلا سے نازل ہو جاتا ہے اور سب سے پہلے اسے دھوپ میں پڑا ہوا ایک برقی لیپ دیکھنے کا اتفاق ہوتا ہے جس کا نچلا حصہ لوہے کا بنا ہوا ہے۔ درمیانی حصہ کی ساخت شیشم کی خوبصورت کا مدار

لکڑی سے ہے اور اوپر ایک رنگین خوبصورت فانوس کے اندر شیشے کا قنبرہ لگا ہوا ہے۔ وہ اتفاقاً لیمپ کا بٹن دباتا ہے اور لیمپ روشن ہو جاتا ہے۔ سائنسداں برقی رو اور اس کے استعمال سے آشنا نہیں اور جس دنیا سے آیا ہے وہاں کے حالات یہ ہیں کہ نہ تو وہاں کبھی اندھیرا ہوا ہے کہ کسی لیمپ کی ضرورت ہو نہ وہاں کوئی دھات موجود ہے نہ لکڑی ہے نہ شیشہ اور نہ ربر اور نہ کوئی اور چیز جو ایک خوبصورت ٹیبل لیمپ کی ساخت میں کام آتی ہے۔ اب سائنسداں لیمپ کو سمجھنا چاہتا ہے کہ یہ کیا چیز ہے کیسے وجود میں آئی ہے اور اس کا مقصد کیا ہے؟ لہذا وہ خوب غور و فکر کر کے اس کے متعلق اپنے مشاہدات کے نتائج قلمبند کرتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ ایک پتھر یا چٹان کی طرح یہ لیمپ بھی ایک قدرتی چیز ہے اسے معلوم نہیں کہ یہ اس کی مانند کسی سائنسداں نے کسی خاص مقصد کے لئے بنائی ہے۔ ظاہر ہے کہ سائنسداں کی سابقہ معلومات اس قدر ناکافی ہیں کہ وہ اپنی ذہانت کے باوجود فقط اپنے مشاہدات کی بنا پر لیمپ کے روشن ہونے اور طریق کے متعلق اس کے قدرتی مقاصد اور فوائد کے متعلق اگرچہ اپنی طرف سے نہایت ہی معقول اور مدلل نظریات قائم کرے گا لیکن وہ کرہ ارض کے رہنے والے ایک تعلیم یافتہ انسان کے نزدیک نہایت ہی مضحکہ خیز ہوں گے۔

فرض کیجئے کہ لیمپ کو شروع سے لے کر آخر تک اپنے استعمال کے لئے ایک ہی شخص نے بنایا ہے اور ان خام اشیاء کی بہم رسانی سے لیکر جو اس کی ساخت میں کام آئی ہیں اسکی آخری حالت تک تخلیق کے تمام مرحلوں سے اسی نے گزار کر اسے مکمل کیا ہے۔ پھر فرض کیجئے کہ ایک فرشتہ رحمت اسکی پریشانی کو دیکھ کر اس کے پاس آتا ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ دے دیتا ہے جس میں لکھا ہے کہ یہ چیز خود بخود بنی ہوئی نہیں بلکہ ایک خاص شخص نے ایک خاص غرض کے لئے بنائی ہے۔ نیز اگرچہ اس کاغذ میں لیمپ کے متعلق براہ راست کچھ لکھا ہوا نہیں

کیونکہ لیمپ تو اس خلائی سائنسداں کے سامنے پڑا ہے لیکن لیمپ ساز کی قابلیتوں اور خوبیوں کی ایک مفصل اور مکمل فہرست اس کے اندر موجود ہے اور یہ لکھا ہے کہ اگر تم چاہو تو اس لیمپ کے اندر لیمپ ساز کی ان قابلیتوں اور خوبیوں کا مشاہدہ کر سکتے ہو۔ اس کاغذ کے مطالعہ سے سائنسداں کے ذہن میں لیمپ ساز کی شخصیت کا اور اس کی صفات اور کمالات کا پورا تصور قائم ہو جاتا ہے۔ مثلاً اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ لیمپ بنانے والا علوم ریاضیات طبیعیات، کیمیا، زراعت اور فنون صنعت سے پوری طرح بہرہ ور ہے اور حسن و زیبائی کا ایک ذوق بھی رکھتا ہے۔ اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ ربڑ کے درخت لگا سکتا ہے جن میں سے ایک خاص قسم کا دودھ نکلتا ہے اور وہ اس دودھ سے ربڑ تیار کر سکتا ہے یا مصنوعی ترکیبی (synthetic) ربڑ بنا سکتا ہے۔ زمین کو کھود کر خام تانبا نکال سکتا ہے۔ اسے صاف کر کے خالص تانبے کا تار بنا سکتا ہے اور اس تار کے گرد ربڑ چڑھا سکتا ہے۔ خام لوہے کو زمین سے نکال کر صاف کر سکتا ہے اور اسے پگھلا کر حسب ضرورت خوبصورت سانچوں میں ڈھال سکتا ہے۔ شیشم کے درخت لگا سکتا ہے۔ ان رختوں کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر سکتا ہے اور ان ٹکڑوں سے ضرورت کی خوبصورت چیزیں بنا سکتا ہے اور ان پر نقش و نگار کھود سکتا ہے۔ مٹی اور ریت سے شیشے کے اجزاء فراہم کر سکتا ہے ان اجزاء کو پگھلا کر شیشے کے برقی قہقہوں کی صورت میں ڈھال سکتا ہے۔ ڈانٹوں ایسی ایک پیچدار مشین بنا کر پانی کے بہاؤ کی قوت سے بجلی کی رو تیار کر سکتا ہے اور وہ اس رو کی خاصیات سے پوری طرح واقف ہے۔ اسے ربڑ میں لپٹے ہوئے تانبے کے تاروں میں کہیں سے کہیں لے جا سکتا ہے۔ اور اسے اپنے ضبط میں رکھ سکتا ہے اور اس سے حسب ضرورت مختلف کام لے سکتا ہے جس میں سے ایک برقی قہقہے کو روشن کرنے کا کام بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ لیمپ ساز کی ان خوبیوں اور قابلیتوں کے علم سے اس خلائی

سائنسداں کے لئے برقی لیبل کا عقدہ کھل جائے گا اور وہ یہ محسوس کرے گا کہ اس کے لئے نہایت ہی آسان ہو گیا ہے کہ لیپ کے روشن ہونے اور بجھنے کے ذرائع اور اسباب کے متعلق اس کی ساخت کے عمل اور طریق کے متعلق اس کے مقاصد اور فوائد کے متعلق معقول اور صحیح نظریات قائم کر سکے پھر وہ یہ بھی محسوس کرے گا کہ لیپ ساز کی صفات اور کمالات کے متعلق جو نظری واقفیت اسے بہم پہونچائی گئی ہے وہ لیپ کے علم کی روشنی میں بہت واضح ہو گئی ہے اور ایک ٹھوس اور مرئی شکل اختیار کر گئی ہے۔ اور اس کے علم کے دونوں شعبے لیپ کا علم اور لیپ ساز کا علم ایک دوسرے پر روشنی ڈال رہے ہیں۔ اور ایک دوسرے کو مکمل کر رہے ہیں۔ وہ محسوس کرے گا کہ لیپ ساز کو جاننے سے خود لیپ کے متعلق اس کی سابقہ معلومات میں ایک ایسا اضافہ ہوا ہے جو دافر اور گراں قدر ہے اور جو اسے فقط لیپ کو دیکھنے سے کبھی حاصل نہ ہو سکتا۔ پھر اسے صاف طور پر نظر آجائے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ لیپ ساز کی صفات اور کمالات ہی کا ایک مظہر ہے اور ان کمالات اور صفات کا علم لیپ ہی کے علم کا ایک حصہ ہے اور اس سے الگ نہیں۔

لیکن فرض کیا کہ خلائی سائنسداں اس فرشتہ رحمت کے اصرار کے باوجود کاغذ کو پڑھنے کے بغیر یہ کہہ کر پھینک دیتا ہے کہ میں اپنے مشاہدات میں کسی بیرونی مداخلت کو گوارہ نہیں کرتا۔ تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں وہ برسوں کی ٹھوکروں کے بعد بھی لیپ کو پوری طرح سے نہ سمجھ سکے گا اور لیپ کی حقیقت کے متعلق اس کے مشاہدات کے نتائج ہمیشہ مضحکہ خیز رہیں گے۔

عصر جدید کے مغربی سائنسداں کی غلطی

یہی حال دور حاضر کے مغربی سائنسداں کا ہے کہ وہ کائنات کو اس کے خالق

کی صفات کے علم کے بغیر اپنے مشاہدات کے بل بوتے پر سمجھنا چاہتا ہے اور اپنی تحقیقات کے دوران میں اس بات سے قطع نظر کرتا ہے کہ اس کا کوئی خالق ہے اور اس کی صفات خالقیت و ربوبیت اس کی اور اسکے اندر کی ہر چیز کی ماہیت کو معین کرتی ہیں۔ وہ نہیں سمجھتا خدا کی صفات کو کائنات سے الگ کرنے کے بعد اس کا سچا سائنسی مشاہدہ اور مطالعہ ممکن ہی نہیں۔ وہ نہیں جانتا کہ کپڑے کا جو تعلق کپڑے کے تار اور پودے سے ہے وہی کائنات کا تعلق خدا کی صفات سے ہے۔ آج بد قسمتی سے اس کا مسلمان نقال بھی ایسا ہی کر رہا ہے۔ اس کو بھی اپنے مغربی استاد کی راہ نمائی میں مظاہر قدرت، (جو سائنسداں کے مشاہدہ اور مطالعہ کا موضوع ہیں) کے اندر خدا کا نشان نہیں ملتا حالانکہ اسے بتایا گیا تھا کہ مظاہر قدرت کے اندر خدا کی صفات خالقیت اور ربوبیت اور کار سازی اور حکمت اور قدرت سموئی ہوئی ہیں۔ اور اگر مظاہر قدرت کی کوئی حیثیت ہے تو وہ یہی ہے کہ وہ آیات اللہ ہیں۔ ان کی ابتدا اور انتہا خدا ہے اور ان کا ظاہر اور باطن خدا ہے۔

هو الاول والآخر والظاهر والباطن

خدا ہی اس کائنات کی ابتدا اور انتہا اور ظاہر اور باطن ہے۔

قدیم سائنسداںوں کا زاویہ نگاہ

لیکن ان مسلمان سائنسداںوں کا زاویہ نگاہ، جنہوں نے سائنسی طریق تحقیق ایجاد کیا تھا اور سائنسی علوم کی بنیاد رکھی تھی اور جو آج کے مسلمان سائنسداں کے مغربی استادوں کے بھی استاد تھے، آج کے مسلمان سائنسداں سے مختلف تھا وہ خدا کو جو کائنات کا صانع اور خالق ہے اور کائنات کو جو اس کی مصنوع اور مخلوق ہے ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے تھے ان کے مشاہدہ و مطالعہ قدرت میں اور سائنسی علوم کی تحقیق اور تدوین میں خدا کی خالقیت اور ربوبیت کا عقیدہ بطور مدار و

محور کے تھا۔ وہ دل سے مسلمان تھے لہذا ان کا خیال یہ تھا کہ جس طرح سے خدا روح و رواں کائنات ہے۔ اسی طرح سے وہ علم کائنات یا سائنس کا روح و رواں بھی ہے۔ وہ کائنات کا مطالعہ اس لیے کرتے تھے کہ کائنات میں خدا کے تخلیقی اعمال کو سمجھ کر خدا کی صفات کو بہتر طریق سے جانیں اور پہچانیں۔ اور ان کے نزدیک خدا کا عقیدہ ایک روشنی تھا جس کے بغیر یہ مطالعہ ناممکن بھی تھا اور بے معنی اور بے سود بھی۔ انہوں نے دور حاضر کے بعض مسلمان سائنسدانوں کی طرح خدا کے عقیدہ کو اپنے سائنسی تجزیہ اور تحقیق کے لئے زیر غور رکھا ہوا نہیں تھا کہ جب سائنس اسے قبول کر لے گی تو وہ بھی اسے قبول کر لیں گے۔ بلکہ ان کے نزدیک سائنسی تحقیق کیلئے اس عقیدہ سے ہٹ کر نہ کوئی راستہ تھا اور نہ منزل۔ ان کے نزدیک خدا کی وحی کا عطا کیا ہوا علم ان کے حواس کے علم سے کہیں زیادہ بلند اور زیادہ یقینی تھا۔ لہذا ان کے دل میں اس بات کا خیال تک بھی نہ آسکتا تھا کہ علم حواس کسی درجہ میں بھی علم وحی کا محک و معیار قرار پاسکتا ہے یا علم وحی کی تشریح اور تفسیر کے علاوہ کسی اور حیثیت سے اپنا کوئی مقام یا وزن رکھ سکتا ہے۔

سارٹن کا عذر

یہی وجہ ہے کہ ”تاریخ سائنس کا تعارف“ (Introduction to the History of Science) کا مغربی مصنف سارٹن (sarton) اس بات پر مجبور ہوا ہے کہ ہر دور کے مسلمان سائنسدانوں کے سائنسی کارناموں کا ذکر کرتے وقت ان کے مذہبی معتقدات کا ذکر بھی کرے۔ تاریخ سائنس کے مصنف کی حیثیت سے اس کا یہ اقدام علمی لادینیت اور افتراق مذہب اور سائنس کے اس دور میں یقیناً مشکل سے ہی سمجھ میں آسکتا تھا لہذا وہ اپنے قارئین کو مطمئن کرنے کے لئے اس کا عذر پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے :-

”وہ مسلمان بھی جو قرآن کو مخلوق سمجھتے تھے اس بات پر متفق تھے کہ وہ خود خدا کا کلام ہے لہذا ان کا خیال تھا کہ وہ علم جو ہم محض اپنے غلط بین حواس یا اپنی محدود ذہنی قوتوں کے ذریعہ سے حاصل کرتے ہیں لازماً ناقابل اعتماد اور کمزور ہے اور قرآن نے جو کچھ کہا ہے وہ قطعی طور پر صحیح اور یقینی ہے۔ میں پھر پوچھتا ہوں کہ ہم مسلمانوں کی سائنس کو اس وقت تک صحیح طور پر کیسے سمجھ سکتے ہیں جب تک ہم اس بات کو پوری طرح سے نہ سمجھ لیں کہ وہ قرآن کے محور کے گرد گھومتی ہے،“

”قرون وسطیٰ میں (جب سائنس کے میدان میں صرف مسلمان ہی پیش پیش تھے۔) یہ نقطہ نظر عام تھا کہ مذہب کی عقلی توجیہ نہ صرف سائنس کا مدار و محور ہے بلکہ مذہب کی قوت بھی ہے لہذا مذہب اور سائنس ناقابل تفریق تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم ایک کو دوسرے کے بغیر سمجھ نہیں سکتے یہ حقیقت ہے کہ ہماری یہ تحقیق منصفانہ نہیں ہوگی جب تک کہ ہم اس کی بنیاد ”علم مثبت“ کی اپنی تعریف پر رکھنے کے بجائے خود ان لوگوں کی تعریف پر نہ رکھیں جن کی سائنس کی تاریخ ہم لکھنا چاہتے ہیں۔ اب جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں ان لوگوں کی نگاہ میں مذہب کی عقلی توجیہ نہ صرف علم مثبت تھا بلکہ علم مثبت سے بھی بالاتر کوئی علم تھا ان لوگوں کے فکر کا مرکز (یعنی خدا کا عقیدہ) ہمارے مرکز فکر سے یکسر مخالف تھا۔“

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مسلمان ہی سائنسی طریق تحقیق کے موجد تھے اور سائنسی علوم کی بنیاد بھی انہوں نے ہی رکھی تھی تو پھر اس کی وجہ کیا ہے کہ انہوں نے سائنس کے میدان میں نہ صرف اپنی قائدانہ حیثیت کو کھو دیا بلکہ عیسائی دنیا کے ہم دوش بھی نہ رہے اور آخر کار سائنس ہی میں ان کے نقال اور مقلد بن گئے اور پھر اس کی وجہ کیا ہے کہ عیسائی دنیا نے خدا کے عقیدہ کو جو مسلمانوں کی قیادت۔ سائنس کے زمانہ میں سائنسی علوم کا مدار و محور تھا نہ صرف سائنسی علوم سے الگ کر دیا بلکہ اسے سائنس کے منافی خیال کرنے لگے اور آج

مسلمان بھی ان کی نقل اور تقلید میں ایسا ہی کر رہے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ کسی قوم کی علمی ترقیوں کا باعث اسکی پرامن اور آزادانہ جستجوئے صداقت ہے۔ ہر قوم علم کے میدان میں صرف اسی وقت ترقی کر سکتی ہے جب تک وہ صداقت کی جستجو کے لئے یعنی اس صداقت کی جستجو کے لئے جسے وہ خود صداقت سمجھتی ہے آزادانہ ہو اور اس کی یہ آزادی امن و امان سے ہمکنار ہو۔ جوں ہی کہ اس کی یہ آزادی ختم ہو جاتی ہے یا خطرہ میں پڑ جاتی ہے اس کی جستجوئے صداقت اور تحقیق علمی کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں کیونکہ ایسی حالت میں یا تو وہ کسی دوسری قوم کی غلام بن جاتی ہے جس سے اس کی زندگی اس صداقت کی جستجو کیلئے وقف ہو جاتی ہے جسے یہ دوسری قوم صداقت سمجھتی ہے اور یا پھر وہ اپنی آزادی کھودینے کے فکر میں مبتلا ہو جاتی ہے اور اس کی حفاظت کی تگ و دو میں لگ جاتی ہے۔ غرناطہ اور بغداد کی تباہی نے مسلمانوں کی صدیوں کی علمی تحقیق و تجسس کی روایات کو ختم کر دیا تھا اور اس کے بعد انکو پھر پرامن آزادی کا ایسا طویل دور نصیب نہ ہو سکا جس سے وہ اس قابل ہو جاتے کہ ان روایات کو از سر نو اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ زندہ کر سکیں۔

مغرب میں خدا اور سائنس کے افتراق کا

بنیادی سبب عیسائیت کی تعلیم ہے

یورپ میں سائنس اور عقیدہ خدا کے الگ الگ ہو جانے کی بڑی اور بنیادی وجہ عیسائیت کی تعلیم ہے۔ جب سائنس مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کر عیسائیوں کے ہاتھوں میں آئی تو کچھ عرصہ کے لئے خدا کا عقیدہ بدستور سائنس کا مرکز بنا رہا لیکن چونکہ دین اور دنیا کا اتحاد سائنس کے دائرہ میں بلکہ انسانی زندگی کے کسی دائرہ میں بھی عیسائیت کی سرشت سے مطابقت نہیں رکھتا تھا اس لئے ایسا

وقت آنا ضروری تھا جب عیسائی دنیا سائنس کو خدا کے عقیدہ سے اور خدا کے عقیدہ کو سائنس سے الگ کر دیتی۔ عیسائیت میں دین اور دنیا ایک دوسرے سے الگ تھلگ بلکہ ایک دوسرے کے منافی ہیں۔ جس طرح سے دینی سعادتیں ترک دنیا کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتیں۔ حضرت مسیح نے یہ فرما کر کہ ”جو کچھ قیصر کا ہے وہ قیصر کو اور جو کچھ خدا کا ہے وہ خدا کو دے دو“ نظری طور پر دین کو دنیا سے الگ کر دیا تھا اور حضرت مسیح کی ساری عملی زندگی بھی دین اور دنیا کے اس افتراق کی آئینہ دار تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت مسیح جو خدا کے سچے رسول تھے ایک خاص مقصد کے لئے آئے تھے اور وہ یہ تھا کہ دین موسوی کے خاص خاص پہلوؤں پر زور دیں اور بنی اسرائیل کو ریاکاری سے جو ان کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی نجات دلا کر اخلاص اور للہیت پر قائم کریں۔ اپنی پوری عملی زندگی میں دین اور دنیا کو جمع کرنا ان کا کام نہیں تھا کیونکہ یہ عظمت اپنے وقت پر خاتم النبیین ﷺ کے حصہ میں آنے والی تھی۔ ریورینڈ مارٹن ڈی۔ آر کی (Rev. Martin D'Arcy) اپنی کتاب اشراکیت اور عیسائیت

(Communism and Christianity) میں سچ کہتا ہے:

”لیکن ہم اس بات کو جتنی دفعہ بار بار کہیں کم ہے کہ عیسائیت اس لئے وجود میں نہیں آئی تھی کہ کسی قوم یا کسی اعلیٰ قوم کو دنیوی فارغ البالی کاراستہ بتائے۔ یہی بنی اسرائیل کی غلطی تھی اور جب لوگوں نے چاہا کہ حضرت مسیح کو بادشاہ بنا دیں تو وہ ان سے بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گئے۔“

عیسائیت میں دین اور دنیا کی علیحدگی

ایک اساسی عقیدہ

عیسائیت کی تعلیم یہ ہے کہ انسان اگلی دنیا کی راحتیں اس دنیا کی راحتوں کو

ترک کئے بغیر حاصل نہیں کر سکتا۔ مذہب اور سائنس کا آپس میں کوئی تعلق نہیں کیونکہ مذہب انسان کی دنیوی زندگی سے کوئی سروکار نہیں رکھتا اس کا مقصد انسان کی آخری زندگی کو بہتر بنانا ہے۔ اس کے برعکس علم کائنات اور سائنس اس دنیا کو بہتر بنانے کے لئے کام آتے ہیں۔ مذہب غیر عقلی اعتقادات کا ایک مجموعہ ہے اور ایک ایسی دنیا کے متعلق رائے زنی کرتا ہے جو ماورائے حواس ہے لیکن سائنس کے نتائج عقل اور مشاہدہ اور تجربہ پر مبنی ہیں۔ لہذا اگر ہم خدا کے عقیدہ کو اپنی علمی بحثوں میں جگہ دیں گے تو ہماری بحثیں عقلیت کے معیار سے گرجائیں گی اور مذہب کے دائرہ میں جو تعصب اور نامعقولیت اور عقل اور علم کی محکومی پر زور دیتا ہے داخل ہو جائیں گی۔ دیکھ لیجئے کہ یہ نقطہ نظر اسلام کے نقطہ نظر سے جو کائنات پر غور و فکر کرنے اور اپنے قوائے دید و شنید اور فہم و فراست کو کام میں لانے پر زور دیتا ہے کس قدر مختلف ہے۔ ابھی ہم نے دیکھا ہے کہ عیسائیت کے برعکس اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ مظاہر قدرت خدا کی ہستی اور صفات کی نشانیاں ہیں۔ خوب غور سے ان کا مشاہدہ اور مطالعہ کرو۔ جو لوگ آنکھوں سے دیکھتے نہیں، کانوں سے سنتے نہیں، اور دل سے سوچتے نہیں، ان سے باز پرس کی جائے گی اور ان کی سزا دوزخ ہے۔

کلیسا کی سائنس دشمنی

اور عیسائیت کی مذہبی عدالتوں کے مظالم

عیسائیت میں اعتقاد، مشاہدہ اور مطالعہ قدرت سے بے تعلق ہے بلکہ اس کا مخالف ہے اور اسلام میں اعتقاد، مشاہدہ اور مطالعہ قدرت کے بغیر ممکن نہیں۔ عیسائیت کی اسی تعلیم کا نتیجہ ہے کہ کلیسا نے سائنسی فکر کو جب بھی وہ ابھرنے لگا بزور تمام دبا دینے کی کوشش کی۔ عیسائیوں کی مذہبی عدالتوں نے سائنس دانوں

پر ایسے ظلم ڈھائے کہ یہ بات مسلم ہو گئی کہ سائنس اور مذہب ایک دوسرے کے ساتھ نہیں چل سکتے اور سائنس کو اگر ترقی کرنا ہے تو اسے ہر حالت میں مذہب سے الگ رہنا چاہئے۔ سائنس دانوں کے دلوں میں یہ خوف راسخ ہو گیا کہ اگر انہوں نے خدا کو سائنس سے اور سائنس کو خدا سے جوڑنے کی کوشش کی تو وہ پھر مذہبی اداروں اور عدالتوں کے محاسبہ کی زد میں آجائیں گے اور وہ اور ان کی سائنس دونوں ختم ہو جائیں گی۔ اس کے ساتھ ہی یورپ میں پے در پے ایسے واقعات رونما ہوئے جنہوں نے خدا اور سائنس کے افتراق کو جسے عیسائیت نے جنم دیا تھا اور محکم کر دیا۔ کلیسا اور ریاست کے جھگڑوں نے اتنا طول کھینچا اور اتنی شدت اختیار کی کہ بالآخر دونوں کو ایک دوسرے سے الگ ہونا پڑا اور عیسائیت کی تعلیم کے عین مطابق یہ فیصلہ کر دیا گیا کہ مذہب کا سیاست سے کوئی علاقہ نہیں لیکن جب مذہب ایک دفعہ سیاست سے الگ کر دیا جائے تو پھر یہ ممکن نہیں ہوتا کہ وہ فرد یا جماعت کی زندگی کے کسی اہم شعبہ پر بھی اپنی گرفت قائم رکھ سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف فرد اور جماعت کی سیاسی زندگی مذہب سے الگ ہو گئی بلکہ ان کی قانونی، سماجی، اقتصادی، فوجی اور تعلیمی اور علمی زندگی کو بھی مذہب سے کوئی تعلق نہ رہا۔ کیسے ممکن تھا کہ مذہب جو ریاست کے کاروبار سے الگ کر دیا گیا تھا پھر اس کاروبار میں اسکول اور کالج اور یونیورسٹی کے چور دروازوں سے داخل کر لیا جاتا۔ سائنس اور علم سے خدا کے عقیدہ کا اخراج جو اس طرح سے عمل میں آیا اگرچہ عیسائیت کے مزاج کا ایک تقاضا تھا جو بالآخر ایک سیاسی حادثہ کے نتیجہ کے طور پر رونما ہوا تھا۔ تاہم کچھ عرصہ کے بعد یہ سمجھ لیا گیا کہ یہ خود سائنس اور علم ہی کا ایک تقاضا ہے۔

انیسویں صدی کی طبعیات کی غلط فہمی

اس غلط فہمی کے ظہور کے لئے عیسائیت کی تعلیم اور کلیسا اور ریاست کی علیحدگی نے حالات پہلے ہی سازگار کر رکھے تھے لیکن جن خاص اسباب نے اسے جنم دیا ان میں سے ایک موثر سبب انیسویں صدی کے ماہرین طبعیات کا مادی نظریہ تھا جس کے مطابق یہ سمجھا جاتا تھا کہ مادہ کائنات کی آخری حقیقت ہے اور کائنات ایک مادی مشین ہے جو اپنے قوانین سے خود بخود عمل کرتی ہے اور جس کے عمل میں خدا کا کوئی دخل نہیں۔ لہذا اس صدی میں یہ خیال اور راسخ ہو گیا کہ درحقیقت سائنس کا خدا یا مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔

ڈارونزم کا زہر اور اسکی عالم گیر خریداری

لیکن جس شخص نے خدا اور مذہب کے خلاف عیسائیت کی علمی دنیا کے تعصب کو آخر کار ایک علمی اور عقلی نظریہ کا مقام اور ایک سائنسی حقیقت کا درجہ دیا وہ ایک ماہر حیاتیات چارلس ڈارون تھا۔ جس نے سبب ارتقا کا ایک نظریہ پیش کیا ہے۔ ڈارون نے انیسویں صدی کی علمی اور عقلی فضا میں پرورش پائی تھی اور وہ بحیثیت ایک سائنسدان کے اس دور کی جامد اور متحجر میکانیت اور مادیت کی پیداوار تھا۔ جس میں عیسائیت کے خلاف سائنسدانوں کا رد عمل اپنی پوری شدت پر تھا۔ لہذا اس نے نوع انسانی کے ظہور کا سبب یہ بتایا کہ کائنات میں ایسی قوتیں کام کر رہی ہیں جن کا کوئی مقصد یا مدعا نہیں اور جس کو اپنے عمل کے نتائج اور عواقب سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ان قوتوں کو اس نے کشمکش حیات، قدرتی انتخاب، اور بقائے الصلح کے دلفریب نام دئے۔ اس کے نتائج میں سے ایک یہ ہے کہ یہ محض اتفاق ہے کہ انسان عقل و خرد، ہوش دتمیز اور ضمیر اور تخیل ایسی خصوصیات کا مالک بن گیا ہے اور ان کی وجہ سے مذہب اور اخلاق اور سیاست اور تعلیم اور

قانون اور جستجوئے علم و فن ایسے مشاغل میں مصروف ہو سکتا ہے۔ آج جو انسان ہے بالکل ممکن تھا کہ وہ انسان نہ ہوتا بلکہ گندی نالیوں میں ریگنے والا ایک کریہہ المنظر جاندار ہوتا۔ اگرچہ یہ نظریہ بالخصوص حیاتیاتی ارتقا کے اسباب سے تعلق رکھتا تھا تاہم اس کے نتائج تمام مادی، حیاتیاتی اور انسانی علوم پر بھی اثر انداز ہوتے تھے۔ ڈارون نے کہا تھا کہ میرا نظریہ بالقوہ ایک پورا فلسفہ کائنات ہے اور اسکا یہ کہنا صحیح تھا۔ ڈارون کا نظریہ ہر چیز کی تشریح اس طرح سے کر سکتا ہے کہ اگر کوئی روحانی یا آسمانی قوتیں اس کائنات میں کار فرما ہیں تو پھر بھی کائنات کے حقائق کی تشریح کے لئے ان کے ذکر کی کہیں ضرورت پیش نہیں آتی۔ لہذا یہ نظریہ انیسویں صدی کی ذہنی اور علمی فضا کے ساتھ جو مادیت پسندی اور مذہب دشمنی سے معمور تھی خوب ہی مطابقت رکھتا تھا۔ کوئی تعجب نہیں کہ اسے ڈارون کے عہدہ کی علمی دنیا نے بالعموم قبول کر لیا اور یہ اس کے بعد سے لیکر آج تک بھی تمام سائنسی علوم کی ترقیوں کی نوعیت پر گہرے اثرات پیدا کرتا چلا آ رہا ہے۔ یہ اسی نظریہ کی نحوست کا اثر ہے کہ آج یہ سمجھا جا رہا ہے کہ ہر مظہر قدرت جو طبیعیاتی یا حیاتیاتی یا انسانی دنیا سے تعلق رکھتا ہے عمل ارتقا کا ایک اتفاقی نتیجہ ہے۔ اور ہم اس کے ماضی کے قریبی حالات اور واقعات سے اس کی مکمل اور معقول تشریح کر سکتے ہیں۔

کورچشمی کی ایک بین مثال

ڈارون ایک پکا عیسائی تھا۔ اس کے باوجود اسے عمل ارتقا کے اندر جو خالق کائنات کی رب العالمین کا ایک شاندار اور یقین افروز مظہر ہے خدا کیوں نظر نہیں آتا اور کیوں اسکی بجائے بے شعور اور بے مقصد مادی اور میکاکی قوتیں کام کرتی ہوئی نظر آئیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اس کا دل خدا کے عقیدہ کے خلاف ایک علمی

قسم کے تعصب سے معمور تھا اور یہ تعصب اس اروپائی نظریہ علم کی پیداوار تھا جو یورپ کے مخصوص حالات اور واقعات اور خود تعلیم عیسائیت کے زیر اثر فروغ پا کر انیسویں صدی میں عام ہو چکا تھا کہ خدا کے عقیدہ کو سائنس سے کوئی تعلق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ڈارون کے زمانہ میں عیسائی دنیا کے سائنسدان اس پر ٹوٹ پڑے اور انہوں نے اسے ایک نعمت عظمیٰ سمجھ کر قبول کر لیا۔ یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے اور کتنی بڑی کور چشمی ہے جسے سائنس کے نام پر پیش کیا جا رہا ہے کہ اس کائنات میں عمل ارتقا سے انسان جیسی ایک محیر العقول ہستی کا ظہور محض اتفاق ہے اور کسی خالق کائنات رب کی ربوبیت کی کار فرمائی نہیں۔ سچ ہے کہ جب دل اندھے ہوں تو محض آنکھوں کے دیکھنے سے کائنات کا علم حاصل نہیں ہو سکتا۔

فانہا لا تعمی الابصار ولا کن تعمی القلوب التی فی الصدور (ترجمہ) بیشک آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن دل جو سینوں میں ہیں اندھے ہو جاتے ہیں۔

خدا کے عقیدہ کے خلاف عیسائی مغرب

کے سائنسدانوں کا علمی تعصب لا اعلان ہے

وہ علمی اسباب جنہوں نے یورپ میں سائنسی لادینیت کے نامعقول عقیدہ کو ایک علمی تصور کا مقام دیا تھا، قریباً ختم ہو چکے ہیں۔ مثلاً اب بعض چوٹی کے ماہرین طبعیات نے انیسویں صدی کی طبعیات کو رد کر کے یہ بتایا ہے کہ حقیقت کائنات مادہ نہیں، بلکہ شعور ہے اور ڈارون کے نظریہ ارتقا کو برگساں (Bergson) اور ڈریش (Driesch) ایسے نامور ماہرین حیاتیات نے محل نظر ٹھہرا کر اس کے بالمقابل نہایت ہی معقول اور مدلل نظریات پیش کئے ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ ارتقا کا باعث کوئی باشعور قوت ہے جو اپنے مقاصد کے لیے

کائنات میں عمل پیرا ہے۔ تاہم خدا کے عقیدہ کے علمی مقام کے خلاف جس تعصب کا بیج گزشتہ صدیوں میں یورپ میں بویا گیا تھا اس کی بیج کئی ابھی تک نہیں ہو سکی اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی جڑیں بہت گہری ہیں اور وہ عیسائیت کی سرشت میں ہیں جس کا کائناتی نقطہ نظر اہل یورپ کی زندگی میں سمویا ہوا ہے لہذا اہل یورپ کا اس سے نجات پانا بہت مشکل ہے اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ شعور کو حقیقت کائنات کہنے والے مغربی ماہرین طبیعیات اور ماہرین حیاتیات بھی اس کو خالق کائنات خدا کہنے سے گریز کرتے ہیں۔

سائنس اور خدا کے افتراق کے مہلک نتائج

عیسائی مغرب کا خدا کے عقیدہ کو سائنس سے خارج کر دینا عالم انسانیت کا ایک نہایت ہی المناک حادثہ ہے جو بظاہر نہایت ہی خاموش اور پرامن اور بے ضرر تھا لیکن نوع انسانی کی بے شمار قدیم و جدید مصیبتیں اور بد بختیاں اور بربادیاں اور تباہیاں ایسی ہیں کہ اگر ان کے اسباب کا تجزیہ کیا جائے تو ان کا آخری اور بنیادی سبب یہی حادثہ نکلتا ہے۔ اسی کی وجہ سے نوع انسانی ٹکڑوں میں بٹ گئی ہے اور ہر ٹکڑے نے اپنا نسلی، یا لسانی، یا ثقافتی یا جغرافیائی بت پوجنے کے لئے کھڑا کر لیا ہے۔ اسی کی وجہ سے قوموں کی زندگی باہمی رقابتوں اور مسابقتوں کا اکھاڑہ بنی ہوئی ہے۔ اسی کی وجہ سے استعمار پرستی اور شہنشاہیت اور ان کی ملحقہ برائیاں انسانوں پر مسلط ہوتی رہی ہیں، اسی کی وجہ سے انسانیت دو ہولناک عالمگیر جنگوں کی تباہ کاریوں کا سامنا کر چکی ہے اور تیسری عالمگیر جنگ کے خطرہ سے دوچار ہے۔ اسی کی وجہ سے اشتراکیت کا خوفناک فتنہ کھڑا ہوا ہے۔ اسی کی وجہ سے دنیا بھر میں جنسی بے راہ روی اور اخلاقی گراؤٹ اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی جرم پسندی اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے اسی کی وجہ سے دنیا بھر کے ملکوں میں خود کشی کرنے والوں

اور دماغی ہسپتالوں میں داخل ہونے والوں کی تعداد روز افزوں ترقی پر ہے۔ اسی نے علم کی تقدیس کو ختم کر کے اسے محض مادی منفعت طلبی کا ایک آلہ بنا دیا ہے۔ اسی کی وجہ سے طالب علموں کے دلوں سے پروفیسروں اور استادوں کا احترام رخصت ہو گیا ہے اور تعلیمی اداروں کے ضبط اور نظم کا سلسلہ ٹوٹ کر رہ گیا ہے۔ اسی کی وجہ سے مادی اور حیاتیاتی سائنس کی ترقی کی رفتار متواترست ہوتی گئی ہے اور نفسیاتی اور انسانی سائنسوں کی ترقی مدت سے رکی ہوئی پڑی ہے۔ اور اسی کی وجہ سے مذاہب کے درمیان کی خلیجیں سمٹنے کی بجائے اور وسیع ہوتی جا رہی ہیں۔

مسلمانوں کی افسوسناک غلطی

عیسائی مغرب کے سائنسدانوں کی کورانہ تقلید اور اسلامی فلسفہ علم کی ناقدر دانی

یورپ کی علمی دنیا عیسائیت کے نقائص کی وجہ سے خدا کے عقیدہ کے خلاف علمی تعصب کی جس بد بختی کا شکار ہوئی ہے وہ مسلمانوں کے حصہ میں نہ آسکتی تھی کیونکہ اسلام ان نقائص سے پاک ہے لیکن ہم نے اسلام کی تعلیمات کو اور اپنے آبائے اولیٰ کی روایات کو بھلا کر اور یورپ کی کورانہ تقلید کو اپنا کر اس سے حصہ لیا ہے۔

اے بعشق دیگران دل باختہ
آبروئے خویش را شناختہ
اقبال

اسلام کی رو سے اللہ کا عقیدہ

سائنس کی کلید اور بنیاد ہے

اسلام میں اللہ کے عقیدہ کا کوئی اختلاف سائنس سے نہیں بلکہ اسلام کی رو سے خدا کا عقیدہ سائنس کی کلید ہے جس کے بغیر سائنس پوری طرح سائنس نہیں بن سکتی اور اپنے کمال کو نہیں پہنچ سکتی۔ اسلام انسان اور کائنات کا علم ہے۔ خدا کا عقیدہ جو اسلام کی روح ہے کائنات کی روح بھی ہے۔

”اللہ نور السموت والارض“ خدا آسمانوں اور زمین کا نور ہے

اور جس طرح سے وہ کائنات کی روح ہے اسی طرح سے وہ علم کائنات یا سائنس کی روح بھی ہے اور کائنات میں کائنات کے تینوں طبقے مادہ (Matter) جاندار (Life) اور نفس انسانی (Mind) شامل ہیں۔ خدا وہ قانون قوانین ہے جو مادہ، جاندار اور انسان تینوں پر حاوی ہے اور جس کے سامنے تینوں سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں کوئی خوشی سے اور کوئی بادل ناخواستہ۔ مادہ اور جاندار اور مومنین کی جماعت تو اس قانون پر اپنی رضا اور غبت سے عمل کرتے ہیں لیکن منکرین خدا اس قانون پر بھمراہ عمل پیرا ہیں کیونکہ جب وہ سچے خدا کو خدا نہیں مانتے تو انہیں مجبوراً کسی جھوٹے خدا کو خدا ماننا پڑتا ہے اور پھر اس جھوٹے خدا سے مایوس ہو کر اور دکھ اور نقصان اٹھا کر وہ جلدیابدیر سچے خدا کی طرف گھسیٹے ہوئے آتے ہیں۔ جو لوگ دین اسلام سے جس کی روح خدا کا عقیدہ ہے انحراف کرنا چاہتے ہیں خدا ان کو تنبیہ کرتا ہے کہ مایوسی اور دکھ اور نقصان اٹھانے کے بغیر تم ایسا نہیں کر سکو گے اور پھر بھی آخر کار اسی کی طرف ہانکے جاؤ گے۔ کیونکہ اسلام کی روح تو وہ قانون ہے جس پر عمل کرنے کے لئے کائنات کی ہر چیز طوعاً و کرہاً مجبور ہے۔ پھر اس انحراف سے تمہیں فائدہ کیا ہے۔

افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السموت والارض طوعا
و کرہا والیہ یرجعون

(ترجمہ) کیا وہ خدا کے دین کو (جو سچے خدا کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی دعوت دیتا ہے) چھوڑ کر کسی اور دین کو اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ سچے خدا کے سامنے آسمانوں اور زمین کی ہر چیز سر تسلیم جھکائے ہوئے ہے خوشی سے یا بادل ناخواستہ اور (آخر کار) وہ (بھی جو بادل ناخواستہ اس کے سامنے جھکے ہوئے ہیں بخوشی) اس کی طرف لوٹ آئیں گے (پھر اب تمہیں اس انحراف سے کیا حاصل ہے)۔

اس دور کے مسلمان سائنس دانوں

اور فلسفیوں کا غلط نقطہ نظر

آج اگر ہم اپنے کسی مسلمان بھائی سے جو کہیں سائنس یا فلسفہ کے پروفیسر ہوں یہ کہیں کہ آپ مادی، حیاتیاتی اور نفسیاتی سائنسوں میں ایسے نظریات کی تعلیم دے رہے ہیں یا ایسے نظریات کی بناء پر علمی تحقیقات کر رہے ہیں جو عقلی اور علمی لحاظ سے خدا کے عقیدہ کے ساتھ متصادم ہوتے ہیں یا اس کو نظر انداز کرتے ہیں تو ان کا جواب یہ ہوتا ہے ”صاحب میں بھی آپ کی طرح مسلمان ہوں۔ لیکن سائنس فلسفہ مذہب سے الگ چیزیں ہیں۔ ان کو خدا کے عقیدہ سے اور خدا کے عقیدہ کو ان سے الگ رہنا چاہئے۔ یہاں تک کہ سائنس اور فلسفہ بالآخر ان کو ثابت کر دیں۔ سائنس مشاہدات کے بے لاگ نتائج پر اور فلسفہ غیر جانبدارانہ استدلال پر مبنی ہے۔ پہلے سے طے کیا ہوا اعتقاد ایک تعصب ہے جو علم کو رنگ دار اور اس کی صحت اور صفائی کو داغدار کر دیتا ہے۔ اگر ہم سائنس یا فلسفہ کی تحقیقات میں کسی عقیدہ سے آغاز کریں گے تو نہ ہماری سائنس سائنس رہے

گی اور نہ ہمارا فلسفہ فلسفہ رہے گا۔ پھر یہ دونوں چیزیں مذہب ہی بن کر رہ جائیں گی۔ سائنس علت اور معلول کے پورے سلسلہ کو معلوم کرنا چاہتی ہے لیکن اگر آپ خدا کے عقیدہ کو سائنس کی بنیاد بنا دیں گے تو پھر چونکہ خدا ہر معلول کی علت ہے اس کا مطلب یہ ہو گا کہ آپ نے ہر معلول کی علت کو پہلے ہی سے معلوم کر لیا ہے لہذا آپ کو سائنسی تحقیق کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔،،

حقیقت وجود اور حقیقت علم کے کسی عقیدہ کے

پس منظر کے بغیر سائنس ناممکن ہے

لیکن یہ جواب از سر تا پا غلط ہے اور کئی مغالطوں سے پر ہے۔ پہلا مغالطہ تو اس میں یہ ہے کہ سائنس یا فلسفہ کی کوئی ایسی صورت بھی ہو سکتی ہے جو کسی عقیدہ پر مبنی نہ ہو بلکہ عقیدہ کے لحاظ سے غیر جانبدار ہو۔ اوپر میں نے یہ عرض کیا تھا کہ سائنس کسی فلسفیانہ پس منظر کی محتاج ہے اور ہمیشہ حقیقت کائنات اور حقیقت علم کے متعلق کسی اعتقاد کے گہوارہ میں پرورش پاتی ہے۔ کیا اس بات کے ثبوت کے طور پر یہ بات کافی نہیں کہ روس کی سائنس سرمایہ دار ممالک کی سائنس سے اور سرمایہ دار عیسائی ممالک کی سائنس روس کی سائنس سے مختلف ہے اور مختلف رکھی جاتی ہے، دونوں میں سے ہر فریق دوسرے کی سائنس کو غلط قرار دیتا ہے۔ ان کے مختلف ہونے کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہے کہ دونوں کے پس منظر کے نظریات، جن کے زیر اثر ان کی نشوونما ہوئی، الگ الگ ہیں۔ دونوں فریق ایک ہی طرح کے مشاہدات سے مختلف نتائج اخذ کرتے ہیں جو ان کے نظریات کے مطابق ہوتے ہیں کیونکہ کوئی فریق اپنی انسانی فطرت کے بے پناہ قوانین کی وجہ سے اپنے نظریہ کے دائرہ سے باہر قدم نہیں رکھ سکتا۔ روس کی سائنس علی الاعلان اس عقیدہ سے آغاز کرتی ہے اور آخر تک اس پر قائم رہتی

ہے کہ :

”حقیقت کائنات مادی ہے اور اس قسم کی ہے کہ سائنسی حقائق سے گہرا تعلق رکھتی ہے۔ لہذا اگر ہم دونوں کے اس تعلق کو مانیں گے اور اپنی سائنسی تحقیق کو اس کی روشنی میں انجام دیں گے تو ہمارے سائنسی نتائج درست ہوں گے اور اگر ہم اس تعلق کو نہ مانیں گے اور اپنی سائنسی تحقیق کو حقیقت کے مادی تصور کی روشنی میں انجام نہ دیں گے تو ہمارے سائنسی نتائج غلط ہو کر رہ جائیں گے۔“

یہ عقیدہ ایک مذہب کا جزو ہے اور کوئی سائنسی حقیقت نہیں، کیونکہ سائنسی مشاہدہ یا تجربہ سے ثابت شدہ نہیں اس مذہب کو روس والے جدلی مادیات (Dialectical materialism) کا نام دیتے ہیں۔ سرمایہ دار عیسائی ملکوں کی سائنس اس بات کا اعتراف نہیں کرتی کہ وہ کسی عقیدہ سے آغاز کرتی ہے یا کسی عقیدہ پر مبنی ہے لیکن دراصل اس کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ ”حقیقت کائنات مادی ہوں یا روحانی یا کچھ اور وہ اس قسم کی ہے کہ سائنسی حقائق سے اس کا کوئی تعلق نہیں سوائے اس کے جو کسی وقت خود سائنس ہی ثابت کر دے لہذا اگر ہم دونوں کی اس موجودہ بے تعلقی کو مانیں گے اور اپنی سائنسی تحقیق کو اس کی روشنی میں انجام دیں گے تو ہمارے سائنسی نتائج درست ہوں گے اور اگر ہم دونوں کی اس بے تعلقی کو نہ مانیں گے اور اپنی سائنسی تحقیق کو حقیقت کے کسی تصور کی روشنی میں انجام دیں گے تو ہمارے سائنسی نتائج غلط ہو کر رہ جائیں گے۔“

یہ عقیدہ بھی ایک مذہب کا جزو ہے اور کوئی سائنسی حقیقت نہیں جو کسی تجربہ یا مشاہدہ سے ثابت ہوتی ہو۔ زمانہ حال کے مفکرین نے اس مذہب کو سائنٹزم (Scientism) کا نام دیکر دوسرے مذاہب سے ممیز کیا ہے۔

مذہب سائنٹزم کا تضاد

مذہب سائنٹزم (Scientism) کا تضاد جو اسے معقولیت کے پایہ سے گرا دیتا ہے یہ ہے کہ اس کا پیرو یہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنی سائنس کی مدد سے کسی وقت حقیقت کائنات کی پردہ کشائی کرے گا۔ حالانکہ اس کی سائنس خود حقیقت کائنات کے ایک تصور پر مبنی ہے۔ اور جب تک وہ سائنٹزم کا معتقد ہے اس کے دائرہ سے باہر نہیں جاسکتی اور وہ حقیقت کائنات کا تصور خود سائنٹزم ہے۔ کسی تصور حقیقت کی ضرورت ایک انسان کے لیے اسقدر فوری اور شدید اور ناگزیر ہے کہ کوئی سائنسداں ایک لمحہ کے لئے بھی اسے ملتوی نہیں کر سکتا چہ جائیکہ اسے اپنے سائنسی نتائج کی متوقع پختگی تک برسوں کے لیے اٹھارکھے۔ انسان اپنے تصور حقیقت کا براہ راست مشاہدہ یا احساس کرتا ہے اسکو ثابت نہیں کرتا۔ اس کی علمی تحقیق اس کے تصور حقیقت کو دریافت نہیں کرتی بلکہ اس کا تصور حقیقت اس کی علمی تحقیق کی راہ نمائی کرتا ہے۔

اسلام کی رو سے سائنس کا بنیادی عقیدہ یہ ہے :-

”حقیقت کائنات روحانی ہے اور وہ اس قسم کی ہے کہ سائنسی حقائق سے گہرا تعلق رکھتی ہے۔ لہذا اگر ہم دونوں کے اس تعلق کو مانیں گے اور اپنی سائنسی تحقیق کو اس کی روشنی میں انجام دیں گے تو ہمارے سائنسی نتائج درست ہوں گے اور اگر ہم اس تعلق کو نہ مانیں گے اور اپنی سائنسی تحقیق کو حقیقت کے روحانی تصور کی روشنی میں انجام نہ دیں گے تو ہمارے سائنسی نتائج غلط ہو کر رہ جائیں گے۔“

یہی وہ فلسفہ سائنس ہے جس کی روشنی میں عہد قدیم کے مسلمانوں نے سائنسی طریق تحقیق ایجاد کیا تھا اور سائنسی علوم کی بنیاد رکھی تھی۔

سائنس کے اسلامی اور اشتراکی

فلسفوں میں فرق

ظاہر ہے کہ اسلامی فلسفہ سائنس اور اشتراکی فلسفہ سائنس میں صرف یہی ایک فرق ہے کہ اشتراکی فلسفہ سائنس میں حقیقت کائنات مادی ہے اور اسلامی فلسفہ سائنس میں حقیقت کائنات روحانی ہے ورنہ دونوں ایک ہیں۔ دونوں بہ بانگِ دہل اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ انکی سائنس ایک عقیدہ پر مبنی ہے۔ جب دنیا بھر میں سائنسداں اپنی تحقیقات کی بنیاد کسی عقیدہ پر رکھتے ہیں اور کسی عقیدہ سے آغاز کرنے کے بغیر کسی سائنسداں کا چارہ کار نہیں تو پھر کیا مسلمانوں کے لئے ہی یہ جرم ہے کہ وہ سائنس کی بنیاد کسی عقیدہ پر رکھیں۔ کیا اس کو جرم قرار دینے والے خود بھی اس جرم کے مرتکب نہیں۔

ایں گناہیست کہ در شہر شمانیز کنند

سائنس کی صحیح اعتقادی بنیاد سائنس

کی درستی اور ترقی کے لئے ناگزیر ہے

جب ہم مجبور ہیں کہ سائنسی تحقیق کی بنیاد کسی نہ کسی عقیدہ پر رکھیں تو کیا ضروری نہیں کہ وہ عقیدہ درست ہو اور درست تصور حقیقت پر مبنی ہو تاکہ ہمارے سائنسی نتائج غلط نہ ہوں۔ کیا مسلمان کا یہ تصور کہ خدا ہی اس کائنات کی سچی حقیقت ہے تمام ممکن تصورات حقیقت میں صرف ایک ہی تصور حقیقت نہیں جو صحیح اور سچا ہے۔ تو پھر اگر اشتراکی اور عیسائی سائنسداں اپنے اپنے باطل تصورات حقیقت پر اپنی اپنی سائنس کی بنیاد رکھ سکتے ہیں اور یہ دعویٰ کر سکتے

ہیں کہ صرف ان ہی کی سائنس صحیح ہے تو مسلمان اپنے صحیح اور سچے تصور حقیقت پر سائنس کی بنیاد کیوں نہیں رکھ سکتا؟ اور پھر اس کے بعد کیوں یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ صرف اسی کی سائنس صحیح ہے۔

سائنس اور فلسفہ کسی خدا کو ثابت نہیں کرتے

بلکہ بلا ثبوت کسی خدا کو مان کر آگے چلتے ہیں

دوسرا مغالطہ اس میں یہ ہے کہ سائنس اور فلسفہ خدا کو ثابت کر سکتے ہیں اور کسی وقت خدا کو ثابت کر سکیں گے۔ اسی مغالطہ میں یہ بات بھی شامل ہے کہ سائنس کی بنیاد مشاہدات کے بے لاگ نتائج پر اور فلسفہ کی بنیاد غیر جانبدارانہ استدلال پر رکھی جاتی ہے حالانکہ سائنس اور فلسفہ خود اپنے وجود کے لئے کسی جھوٹے یا سچے خدا یعنی حقیقت کائنات کے کسی غلط یا صحیح تصور کے محتاج ہیں۔ وہ کسی نہ کسی خدا کو پہلے مان کر آگے چلتے ہیں لہذا وہ خدا کو کیسے ثابت کر سکتے ہیں۔ اگر وہ کسی خدا کو ثابت کر سکتے ہیں تو وہ وہی خدا ہوتا ہے جس کو وہ پہلے مان لیتے ہیں اور اگر وہ سچے خدا کے تصور پر مبنی نہ ہوں تو سچے خدا کو ثابت نہیں کر سکتے۔ اوپر یہ عرض کیا گیا تھا کہ انسانی فطرت کے قوانین کی وجہ سے (جن کے سامنے ایک سائنسداں بھی سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہے) سائنس ہمیشہ کسی تصور حقیقت کے ماتحت وجود میں آتی ہے۔ کوئی نہ کوئی تصور حقیقت انسان کا نصب العین ہوتا ہے جو اس کی پوری عملی زندگی پر حکمران ہوتا ہے اور انسان کی عملی زندگی سے اس کی سائنسی سرگرمیاں الگ نہیں ہو سکتیں اور اس کے مشاہدات کے سائنسی نتائج بے لاگ نہیں ہوتے بلکہ اس کے نصب العین کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں۔ اسی طرح سے فلسفی کی فلسفیانہ سرگرمیاں بھی اس کی عملی زندگی سے جدا نہیں کی جا سکتیں۔ فلسفی بھی کسی نہ کسی تصور حقیقت سے آغاز کرتا ہے

جس کو وہ بلا ثبوت پہلے ہی مان چکا ہوتا ہے اور پھر اپنے استدلال کا سارا زور یہ ظاہر کرنے کے لئے صرف کرتا ہے کہ حقائق عالم اس تصور حقیقت کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں تاکہ اس کا مخاطب بھی اس کی معقولیت کا احساس کر لے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ کسی تصور حقیقت کو غیر جانبدارانہ استدلال سے ثابت کر رہا ہے حالانکہ یہ بات نہیں ہوتی۔ وہ پہلے ہی بلا ثبوت کسی تصور حقیقت کا قائل ہو چکا ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تصور حقیقت حسن کا ایک تصور ہوتا ہے اور حسن کو محسوس کیا جاسکتا ہے، دیکھا جاسکتا ہے، لیکن ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ نہ اپنے لئے اور نہ دوسروں کے لئے۔ پہلے سے طے کئے ہوئے اعتقاد کے بغیر سائنس اور فلسفہ دونوں ممکن نہیں ہوتے۔ اقبال نے اس مضمون کو یوں ادا کیا ہے۔

فلسفہ و شعر کی اور حقیقت ہے کیا
حرف تمنا جسے کہہ نہ سکیں روبرو

علم و فن از بیش خیزان حیات
علم و فن از خانہ زادان حیات

زندگی سرمایہ دار از آرزوست
عقل از زائیدگان بطن اوست

اعتقاد کی حقیقت یہ ہے کہ وہ کسی تصور کے اوصاف حسن اور صداقت اور خیر کا ایک احساس ہوتا ہے اور ان اوصاف کی آرزو اس میں شامل ہوتی ہے۔ اقبال اعتقاد ہی کو کبھی عشق اور کبھی آرزو اور کبھی تمنا کہتا ہے اور اسے سرمایہ زندگی یا سرمایہ حیات قرار دیتا ہے۔ آرزو زندگی یا حیات کا خاصہ ہے۔

عقیدہ توحید کے مضمرات کا انکار

تیسرا مغالطہ اس میں یہ ہے کہ آپ اسلام کے بنیادی معتقدات کے ساتھ جیسا برتاؤ بھی چاہیں کریں، جب چاہیں انہیں چھوڑ دیں یا معطل اور خارج از عمل کر دیں اور جب چاہیں انہیں اختیار کر لیں۔ مؤثر بنادیں اور عمل میں لے آئیں۔ ایک کوٹ یا سوئٹر کی طرح جب چاہیں انہیں پہن لیں اور جب چاہیں مصلحت یا موسم یا نزاکت طبع کے تقاضا سے اتار کر رکھ دیں۔ آپ ویسے کے ویسے ہی مسلمان رہیں گے۔ یہ خیال درست نہیں۔ ہمارے بعض سائنسدانوں کا خیال یہ ہے کہ سائنسی تحقیق نماز کی طرح کی کوئی چیز نہیں کہ اس میں خدا کے عقیدہ کو پیش پیش رکھا جائے یا خدا کے عقیدہ کے مضمرات کی روشنی میں جاری رکھا جائے۔ لیکن ہم یہ بات فراموش کر دیتے ہیں کہ سائنسی تحقیق مظاہر قدرت کے مشاہدہ اور مطالعہ ہی کا دوسرا نام ہے۔ تعجب ہے کہ ہمارا خدا تو یہ کہے کہ مظاہر قدرت خدا کی ہستی اور صفات کی نشانیاں ہیں اور ان کا مشاہدہ اور مطالعہ اسی نقطہ نظر سے کرو اور ہم صاف کہہ دیں کہ ”نہیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ خدا کی صفات کا مظاہر قدرت سے کیا تعلق؟“ اور پھر بھی ہمارے اعتقاد یا ایمان میں کوئی فرق نہ آئے یہاں تک کہ ہمیں توبہ کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہ ہو۔ یہ ایمان بھی بی بی تمیز کے وضوئے محکم کی طرح ہے جو کسی حالت میں بھی ٹوٹ نہیں سکتا تھا۔ مسلمان کو تو یہ حکم ہے کہ وہ خدا کے عقیدہ کو اپنی پوری عملی زندگی کی قوت محرکہ بنائے جو ہر چھوٹے بڑے کام میں اس کی راہ نمائی کرے۔ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے اور لیٹے اور کھڑے ہو کر، کسی وقت بھی خدا کو نہ بھلائے۔ ہر کام سے پہلے بسم اللہ پڑھے تاکہ اسے معلوم رہے کہ ہر کام خدا کے حکم کے مطابق اور خدا کی رضامندی کے لئے کرنا ہے۔ یہاں تک کہ برتن ڈھانپنے تو خدا کا نام

لے، چراغ بجھائے تو خدا کا نام لے، کسی چٹان یا پہاڑ کے پاس سے گذرے تو خدا کا نام لے۔ ان احکام کے پیش نظر سائنس کی تحقیق یا تعلیم کے وقت عہد خدا کے نام کو حذف اور خدا کے عقیدہ کو معطل کر دینا اسلام کے مقاصد کے مطابق کسی طرح سے ہے۔ پھر جو شخص سائنسی تحقیقات یعنی مظاہر قدرت کا مشاہدہ اور مطالعہ کرتے وقت خدا کا نام تو لیتا ہے لیکن قرآن کی تعلیمات کے مطابق مظاہر قدرت کے اندر خدا کی صفات کو سمویا ہوا نہیں مانتا وہ خدا کے اعتقاد کے مضمرات کا جیسا کہ قرآن نے ان کی تشریح کی ہے، منکر نہیں تو اور کیا ہے؟

سائنسی تحقیق کو عقیدہ توحید کی روشنی سے

محروم کر دینا نہ صرف سائنس کو غلط کر دینا

بلکہ اپنی عملی زندگی کو بھی غلط راستہ پر ڈال دینا ہے

اصل بات یہ ہے کہ سائنسی تحقیقات کے وقت خدا کے عقیدہ کو پیش پیش رکھنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا نماز کے وقت۔ کیونکہ سائنسی تحقیق میں آپ کی مصروفیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ وہ مشین تیار کر رہے ہیں جو فرد اور قوم کی پوری زندگی کو حرکت میں لائے گی۔ وہ مشین آپ کی قوم کا علم ہے۔ ہر قوم کا عمل اس کے علم کائنات پر مبنی ہوتا ہے اگر ہم علم سے خدا کے عقیدہ کو خارج کر دیں گے تو ضروری ہے کہ وہ قوم کی پوری عملی زندگی سے خارج ہو جائے۔ اگر کسی قوم کا علم لادینی ہے تو اس کی عملی زندگی بھی لادینی ہوگی، مسلمانوں کا دینی اور اعتقادی انحطاط ہی ان کے مجموعی انحطاط کا باعث ہوا ہے۔ اسی سے ان کی وحدت اور یک جہتی کا انحطاط، ان کا اقتصادی انحطاط، سیاسی انحطاط، اخلاقی انحطاط اور ان کے انحطاط کی اور تمام قسمیں پیدا ہوئی ہیں لیکن مسلمانوں کے دینی اور اعتقادی انحطاط کا بنیادی سبب بھی ہے کہ انہوں نے عیسائی مغرب کی کورانہ تقلید میں علم

یاسائنس سے خدا کا عقیدہ خارج کر دیا ہے۔ علم کے بگڑنے اور سنورنے سے ہی ذہن بگڑتے اور سنورتے ہیں اور جب ذہن بگڑتے ہیں تو عمل بھی بگڑتا ہے اور جب ذہن سنورتے ہیں تو عمل بھی سنورتا ہے۔ یہی مطلب ہے قرآن کی اس آیت کا ”ان الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بانفسهم“ (ترجمہ) بیشک خدا کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک ان کے ذہنوں میں تغیر نہ آجائے۔ علم سے خدا کا عقیدہ خارج کر دینے کے بعد یہ شکایت کرنا کہ ہماری عملی زندگی میں خدا کا عقیدہ باقی نہیں رہا، عبث ہے۔

جس طرح سے کائنات کے طبعیاتی اور حیاتیاتی طبقے خدا کی خالقیت اور ربوبیت کے مظاہر ہیں۔ اسی طرح سے کائنات کا نفسیاتی اور انسانی طبقہ بھی خدا کی خالقیت اور ربوبیت کا مظہر ہے۔ تاہم جس طرح سے ہمارے طبعیاتی اور حیاتیاتی علوم خدا کے تصور سے محروم ہیں، اسی طرح سے ہمارے وہ سائنسی علوم بھی جنہیں انسانی علوم کہا جاتا ہے خدا کے عقیدہ سے بے تعلق ہیں اور یہی علوم ہیں جو انسانی زندگی کے مختلف شعبوں کے فلسفے ہیں۔ جب ہمارے فلسفہ سیاست، فلسفہ اخلاق، فلسفہ اقتصادیات، فلسفہ قانون، اخلاقی، اقتصادی، قانونی اور تعلیمی اعمال و افعال پر مشتمل ہوتی ہے خدا کے عقیدہ کی کوئی گنجائش نکل آئے اور جب ہماری عملی زندگی کا کوئی پہلو بھی ہمارے اپنے ہی کئے کی وجہ سے خدا سے متعلق نہیں ہو سکتا تو اس بات کی شکایت کیا معنی رکھتی ہے کہ ہم خدا سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ انسان اس طرح سے بنایا گیا ہے کہ اس کی عملی زندگی کے کسی حصہ میں بھی نظریاتی غیر جانبداری (Neutrality) ممکن نہیں۔ اگر وہ اپنی سائنسی تحقیق سے سچے خدا کو خارج کرے گا تو اسے وہاں اس کی بجائے شعوری یا لاشعوری طور کسی جھوٹے خدا یا بت کو رکھنا پڑے گا اور پھر اس کا جھوٹا خدا یا بت اس کی سائنس کو سائنس کے پایہ سے گرا دے گا۔ زمانہ حال میں اس بات کو کہیں

اشتراکیت کا نام دیا جاتا ہے کہیں لادینی وطنیت اور قومیت کا اور کہیں لادینی جمہوریت کا۔ چونکہ دل کا خانہ کبھی خالی نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن خدا پر ایمان لانے سے پہلے بتوں سے کفر کرنے پر زور دیتا ہے:

و من یکفر بالطاغوت و یومن باللہ فقد استمسک بالعروة

الوثقی لانفصام لها

(ترجمہ) جو شخص طاغوت سے کفر کرتا ہے اور خدا پر ایمان لاتا ہے بیشک وہ

ایک مضبوط حلقہ کو تھام لیتا ہے۔

عیسائی مغرب کی کورانہ تقلید سے باز آنے اور قرآن کے فلسفہ سائنس کی طرف جلد از جلد رجوع کرنے کی بجائے ہم اپنی اس ہمالیہ جتنی بڑی غلطی کی تلافی اس طرح سے کر رہے ہیں کہ ہم نے لادینی سائنسی علوم کے ساتھ ایک اور مضمون کا جسے دینیات یا اسلامیات کہا جاتا ہے اضافہ کر دیا ہے اور علوم اسلامیہ کی الگ درسگاہیں اور سوسائٹیاں اور انجمنیں اور دارالعلوم اسلامیہ اور موتمر علوم اسلامیہ ایسے ناموں کے ساتھ قائم کر دی ہیں۔ اس کا الٹا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے ذہن میں یہ خیال اور بھی راسخ ہو گیا ہے کہ اسلام اصل علم سے الگ کوئی چیز ہے اور علوم اسلامیہ کا تعلق کسی حالت میں بھی سائنسی علوم سے نہیں۔

خدا کی خالقیت اور ربوبیت سے انکار

حقیقت یہ ہے کہ وہ مسلمان سائنسداں یا فلسفی جو اپنے پورے اختیار کے ساتھ خدا کے عقیدہ سے الگ ہو کر یا اس کے علمی اور تحقیقی تقاضوں کو نظر انداز کر کے سائنس یا فلسفہ کی تعلیم اور تحقیق میں مصروف ہوتا ہے اگر ہم اس کی نفسیات کو ذرا بغور دیکھیں تو ہمیں صاف نظر آجائے گا کہ یہ کہنا اس کے ساتھ

بے انصافی ہرگز نہیں کہ اسے اسلام کے خدا پر یقین ہی نہیں رہا تاہم وہ خدا کے سچے عقیدہ سے الگ ہوتا ہے تو اس کی جگہ ایک اور غلط عقیدہ کو قبول کرتا ہے۔

تمام علمی سچائیوں کو روشن کرنے والی حقیقت

فلسفی اور سائنسداں سچائیوں کی جستجو میں سرگرداں رہتے ہیں۔ اگر ایک ایسی سچائی جو قطعی اور یقینی طور پر سچائی ہو اور جس کے غلط ہونے کا کوئی بھی امکان نہ ہو کسی فلسفی یا سائنسداں کے ہاتھ لگ جائے تو وہ نعمت عظمیٰ سمجھ کر اس سے چمٹ جاتا ہے کیونکہ وہ اسے اور سچائیوں کی جستجو میں مدد دیتی ہے اور اس کے لئے ایک روشنی کا مینار بن جاتی ہے جس سے علم کا نور دور دور تک پھیل جاتا ہے اور دوسری سچائیوں کو روشن کرتا جاتا ہے۔ سائنسی تحقیق کا کوئی نتیجہ اگر اس کے ساتھ مطابقت رکھتا ہو تو وہ یقینی طور پر صحیح جان کر قبول کر لیا جاتا ہے اور اگر مطابقت نہ رکھتا ہو تو بہ وثوق تمام غلط سمجھ کر رد کر دیا جاتا ہے۔ فرض کیا کہ کسی ایسے ذریعہ علم سے جو بالاتفاق اور مسلم طور پر آنکھوں کے دیکھنے سے بھی ہزار گنا زیادہ قابل اعتماد ہے سائنسدانوں کے گردہ کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ خدائی الواقع موجود ہے اور وہ اس کائنات کا خالق اور رب ہے اور اس کی صفات خالقیت اور ربوبیت اس کائنات میں سموی ہوئی ہیں تو پھر کیا یہ ممکن ہے کہ ان کی سائنسی تحقیق اس حقیقت کی راہ نمائی کے بغیر ایک قدم بھی آگے اٹھاسکے۔ یقیناً وہ اسے اپنی سائنسی تحقیق کی بنیاد یا کلید کا درجہ دیں گے اور اسے سب سے بڑی سچائی سمجھیں گے۔ لیکن عیسائی مغرب کے سائنسدانوں کے نزدیک خدا کا تصور اس درجہ کی یقینی اور قطعی حقیقت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس کو اپنی سائنسی تحقیق کے لئے مشعل راہ نہیں بناتے۔ خدا کے تصور کو سائنسی حقیقت سے بالاتر اور زیادہ یقینی اور زیادہ قابل اعتماد کسی حقیقت کا مقام دینا تو درکنار وہ ابھی اسے

معمولی سائنسی حقیقت کا مقام بھی نہیں دیتے بلکہ اسے سائنس کے منافی سمجھتے ہیں۔ لہذا وہ اسے اپنی سائنسی تحقیق کی بنیاد کیسے بنا سکتے ہیں۔ لیکن مسلمان تو یہ مانتا ہے کہ خدا کا تصور فی الواقع سائنسی حقیقت سے بھی بالاتر مقام رکھنے والی قطعی اور یقینی حقیقت ہے اور اسی یقین کی وجہ سے وہ مسلمان ہے۔

خلاف قرآن عقیدہ

پھر اگر کوئی فلسفی یا سائنسدان ایسا ہو جو اپنے آپ کو مسلمان کہنے کے باوجود مغربی عیسائی سائنسدانوں کی تقلید میں خدا کے عقیدہ کو فلسفہ اور سائنس سے بے تعلق یا فلسفہ اور سائنس کے منافی خیال کرتا ہو تو کیا یہ کہنا صحیح نہ ہو گا کہ اس نے قرآن کی تعلیمات کے خلاف ایک نیا عقیدہ بنا لیا ہے۔ اس کے نزدیک خدا کا تصور تمام سچائیوں کو روشن کرنے والی سچی حقیقت نہیں۔ اور وہ اسلام کے خدا کو اس طرح سے نہیں مانتا جس طرح سے اسلام اس سے توقع رکھتا ہے۔ ورنہ خود فلسفہ اور سائنس ہی کا تقاضا یہ تھا کہ وہ خدا کے عقیدہ کو فلسفہ اور سائنس کی راہ نما حقیقت کے طور پر کام میں لاتا اور اس کی روشنی میں فلسفہ اور سائنس کی صداقتوں کی کامیاب جستجو کرتا۔

محکومی کا سحر

اگر عہد قدیم کے ان مسلمانوں کو جو سائنس کے بانی تھے یہ کہا جاتا کہ سائنس کو خدا کے عقیدہ سے اور خدا کے عقیدہ کو سائنس سے الگ کر دو تو یہ بات ان کی سمجھ میں نہ آسکتی اور وہ کہنے والے کو دیوانہ یا احمق سمجھتے۔ پھر کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ اگر آج کسی مسلمان سائنسدان کو کہا جائے کہ خدا کا عقیدہ سائنس کی لازمی بنیاد ہے جس کے بغیر وہ من کل الوجوہ اور مجموعی طور پر ترقی نہیں کر سکتی تو یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ یہ الٹی ذہنیت عیسائی مغرب

کی کورانہ تقلید سے پیدا ہوئی ہے اور یہ کورانہ تقلید مغرب کی محکومیت اور مرعوبیت کا نتیجہ ہے۔ محکومی کا خاصہ ہے کہ وہ قوموں کا ضمیر بدل دیتی ہے۔ جو چیز ان کو محکومی سے پہلے اچھی نظر آتی تھی محکومی کے بعد رفتہ رفتہ بری نظر آنے لگتی ہے اور جو چیز محکومی سے پہلے بری نظر آتی تھی محکومی کے بعد رفتہ رفتہ اچھی نظر آنے لگتی ہے۔

تھا جو نا خوب بتدریج وہی خوب ہوا

کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

اشتراکیوں کے نزدیک مادہ اپنی نام نہاد جدلی صفات کے سمیت ایک ایسی ہی یقینی حقیقت ہے جیسی کہ ایک سچے مسلمان کے نزدیک خدا اور اس کی صفات رحمت و ربوبیت۔ لہذا انہوں نے مادہ اور اس کی مزعومہ جدلی صفات کو اپنی سائنس کا راہ نما تصور بنایا ہے یہاں تک کہ ان کی سائنس اس تصور کے دائرہ سے ایک انچ باہر نہیں جاسکتی۔ اگر اشتراکی اپنے جھوٹے خدا کے عقیدہ پر سائنس کی بنیاد رکھ سکتا ہے تو مسلمان کو کیا مجبوری ہے کہ وہ اپنے سچے خدا کے عقیدہ پر سائنس کی بنیاد نہیں رکھ سکتا۔ لیکن سچ بات تو یہ ہے کہ آج کافر کو اپنے جھوٹے خدا پر جس قدر یقین ہے مسلمان کو اپنے سچے خدا پر نہیں۔

پانچواں مغالطہ اس میں یہ ہے کہ خدا کا عقیدہ سائنسداں کے لئے علت اور معلول کے پورے سلسلہ کو دریافت کرنے میں سہولت کی بجائے رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ حالانکہ خدا کے عقیدہ میں یہ بات ہرگز شامل نہیں کہ خدا اپنی تخلیق کے لئے ظاہری اور خارجی اسباب و علل کے ایک سلسلہ سے کام نہیں لیتا بلکہ اس عقیدہ میں یہ بات ایک ضروری عنصر کے طور پر شامل ہے کہ خدا مسبب الاسباب اور علت العلل اور حقیقت الحقائق ہے اور اس کی تخلیق ظاہری اور خارجی اسباب و علل کے ایک سلسلہ کی صورت اختیار کرتی ہے جو ہمارے مشاہدہ

اور مطالعہ میں آسکتا ہے۔ اس سلسلہ کی دریافت ہمارے مشاہدہ اور مطالعہ قدرت پر موقوف ہے اور ہم دیکھ چکے ہیں کہ اس مشاہدہ اور مطالعہ کا حق ادا کرنا خود خدا کے عقیدہ کی رو سے ہمارے لئے کس قدر ضروری ہے اور یہ کہ مشاہدہ اور مطالعہ سے درست نتائج اخذ کرنے کے لئے بھی خدا کا عقیدہ کس قدر اہمیت رکھتا ہے۔ مظاہر قدرت میں سلسلہ اسباب و علل کی ہر کڑی یعنی ہر علت اور ہر سبب بذات خود ایک مظہر صفات باری تعالیٰ اور ایک آیت اللہ ہے اور مرد مومن کے مشاہدہ اور مطالعہ کا ایسا ہی حقدار ہے جیسے کہ اور مظاہر قدرت کیونکہ وہ بھی اپنی نوعیت یا ماہیت خدا کی صفات کے عمل سے اخذ کرتا ہے اور خدا کی صفات کا آئینہ دار ہے۔ خدا کے عقیدہ کی وجہ سے سائنس داں کی تحقیق پر صرف یہ اثر پڑتا ہے کہ وہ ہر علت اور سبب کے اندر خدا کی صفات کا جلوہ دیکھتا ہے اور لہذا اس کو پوری طرح سمجھتا ہے۔ حضور کی اس دعا کے مطابق جو اوپر نقل کی گئی ہے مسلمان کا فرس ہے کہ وہ اشیاء کو اس طرح دیکھے جس طرح کہ وہ فی الواقع ہیں۔ اگر اسباب و علل کا سلسلہ جیسا کہ وہ فی الواقع ہے کسی خاص مقام پر نہیں رکھتا تو وہ سائنس داں جو سچا مسلمان ہے اپنی سائنسی تحقیق کو خدا کے عقیدہ کی وجہ سے اسے وہاں روکنے کی کوشش نہیں کرے گا بلکہ اسے آگے لے جائے گا اور اس کی انتہا تک پہنچنے کی کوشش کرے گا اور یقین کے معاملہ میں کافر مسلمان پر سبقت لے گیا ہے۔

کافر بیدار دل پیش صنم

بہ ز دیندارے کہ مرد اندر حرم

غلطی سے رجوع کرنا

حالت انحطاط سے نجات کا واحد راستہ ہے

اگر ہم اپنی موجودہ یا س انگیز حالت انحطاط سے نجات پانا چاہتے ہیں تو اس کا

طریق سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ ہماری جو بڑی غلطی اس کا سبب بنی ہے اس پر اصرار کرنا ترک کر دیں اور اس سے رجوع کریں عیسائی مغرب کی تقلید میں سائنس کو خدا سے اور خدا کو سائنس سے الگ نہ کریں۔ قرآن کے ارشاد کے مطابق مظاہر قدرت کا مطالعہ آیات اللہ کے طور پر کریں تمام سائنسی علوم یعنی مادی، حیاتیاتی اور نفسیاتی اور انسانی علوم کو مقدس اور اسلامی علوم سمجھیں کیونکہ وہ ہمارے خدا کی پیدا کی ہوئی مقدس کائنات کے اور آیات اللہ کے تشریحی علوم ہیں اور اپنے ان آبائے اولین کی روایات کو زندہ کرتے ہوئے جو دنیا کے سب سے پہلے سائنسداں تھے خدا کے عقیدہ کو پھر اسی طرح سائنس کی اساس بنا دیں جس طرح وہ پہلے تھا۔

سائنسی علوم کی

ماڈل اسلامی یونیورسٹی کی ضرورت

اس مقصد کے حصول کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم سب سے پہلے سائنسی علوم کی ایک مثالی اسلامی یونیورسٹی بنائیں جس کی طرز پر بعد میں اور یونیورسٹیاں بنائی جاسکیں۔ اس یونیورسٹی کے لئے ایم۔ ایس۔ سی تک تمام سائنسی علوم کی نصابی کتابوں کو قرآن کے فلسفہ علم کی روشنی میں نئے سرے سے اس طرح لکھیں کہ خدا کی خالقیت اور ربوبیت عالم کا عقیدہ ہر سائنسی علم کا مرکز اور مدار اور محور بن جائے اور طالب علم کو یہ محسوس ہونے لگے کہ وہ اس علم کا مطالعہ نہیں کر رہا بلکہ خدا کی صفات خالقیت اور ربوبیت کا مطالعہ کر رہا ہے جیسا کہ ان کا ظہور کائنات کے اس طبقہ یا حصہ میں ہوا ہے جس کا علم اس کو بہم پہنچایا جا رہا ہے۔

سائنسی علوم کی تشکیل جدید کے بنیادی اصول

اول : سائنسی علوم کی تشکیل جدید کے دوران میں سب سے پہلی بات جو ہمیں مد نظر رکھنی چاہیے وہ یہ ہے کہ صحیح تصور حقیقت کو سائنسی علوم کے اندر سمونے سے تمام غلط سائنسی علوم تبدیل ہو کر درست ہوتے ہیں اور تبدیلی نہ صرف ان علوم کے نقطہ نظر اور ان کی غرض و غایت میں ہوتی ہے بلکہ ان کا متن یا مواد بھی بدل جاتا ہے۔ لیکن ان کے متن یا مواد کے اندر جو تبدیلی رونما ہوتی ہے وہ طبعیاتی علوم میں بہت کم حیاتیاتی علوم میں اس سے زیادہ اور نفسیاتی یا انسانی علوم میں بہت زیادہ ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں ان کے مواد کے اندر تبدیلی کی وسعت اسی نسبت سے زیادہ ہوتی جاتی ہے جس نسبت سے کائنات کا وہ طبقہ جس سے وہ تعلق رکھتے ہیں شعوری مقصدی فعلیت کے وصف سے قریب ہوتا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نظریہ کائنات، مقصد کائنات کا ایک نظریہ بھی ہوتا ہے اور وہ کائنات کے تینوں طبقوں میں سے کسی طبقہ کے علم کے اندر اتنا ہی داخل ہو سکتا ہے جتنا کہ خود اس طبقہ کے اندر کائنات کا مقصد شعوری طور پر آزاد یا آشکار ہو۔ مادہ مقصدی فعلیت سے بالکل محروم ہے لہذا نظریہ کی نوعیت مادی یا طبعیاتی علوم پر بہت کم اثر انداز ہوتی ہے۔ حیوان غیر شعوری مقصدی فعلیت سے بہرہ ور ہے لہذا نظریہ کی نوعیت حیاتیاتی علوم پر مادی علوم کی نسبت زیادہ اثر انداز ہوتی ہے لیکن انسان خود شعور ہے اور آزادانہ شعوری مقصدی فعلیت کی استعداد رکھتا ہے۔ لہذا نظریہ کی نوعیت نفسیاتی یا انسانی علوم پر حیاتیاتی علوم سے بھی بہت زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک نئے نظریہ کی روشنی میں یہ سائنسی علوم یکسر بدل جاتے ہیں۔ اور یہ سائنسی علوم وہ ہیں جو انسان کی عملی زندگی کے لئے سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ ان کے غلط ہونے سے انسان کی ساری عملی



زندگی غلط ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ دوسرے سائنسی علوم کا بھی صحیح استعمال نہیں کر سکتا اور ان کے درست ہونے سے ان کی ساری عملی زندگی درست ہو جاتی ہے اور وہ دوسرے سائنسی علوم سے بھی پورا پورا فائدہ اٹھانے کے قابل ہو جاتا ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صحیح تصور کائنات کے مطابق سائنسی علوم کا تعمیر کرنا یا بدلنا انسان کے لئے کس قدر ضروری ہے۔

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ کسی ایک یا دوسرے نظریہ کو ریاضیات یا طبیعیات ایسے مستقن (exact) علوم کے اندر داخل کرنے سے ان علوم کے اندر کوئی تبدیلی رونما نہیں ہو سکتی لیکن یہاں میں شہرہ آفاق حکیم شپننگر (Spengler) کی کتاب "Zwölftes Buch" "The Decline of the West" کا ایک حوالہ درج کرتا ہوں جس سے پتہ چل جائے گا کہ اس سلسلہ میں غیر جانب دارانہ محققین کی رائے کیا ہے:

"ہر علمی حقیقت خواہ وہ کیسی ہی سادہ ہو آغاز ہی سے اپنے دامن میں ایک نظریہ کو لئے ہوئے ہوتی ہے۔ وہ چیز جسے ہم ایک حقیقت کہتے ہیں ایک نادر وقوع اثر ہے جو ایک بیدار شخصیت پر پڑتا ہے اور تمام باتوں کا انحصار اس بات پر ہے کہ آیا وہ شخصیت جس پر یہ اثر پڑ رہا ہے یا پڑ رہا تھا۔ کلاسیکی ہے یا مغربی، گا تھکی ہے یا بیرونی" ص: ۳۷۹

"ہر مستقن (exact) چیز بذات خود معنی ہوتی ہے۔ ہر طبیعیاتی مشاہدہ اس طرح سے تشکیل پاتا ہے کہ وہ بعض سابقہ خیالی مفروضات کی بنیاد کو ثابت کرتا ہے اور بعض کے کامیاب اتمام کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ سابقہ مفروضات اور زیادہ قابل یقین ہو جاتے ہیں۔ ان مفروضات کے بغیر نتیجہ محض خالی خولی اعداد تک منحصر ہو کر رہ جاتا ہے لیکن درحقیقت ان مفروضات سے نہ تو ہم الگ ہوتے ہیں اور نہ ہی ہو سکتے ہیں اگر کوئی محقق

کوشش کر کے اپنے تمام مفروضات کو جنہیں وہ جانتا ہے طے کر کے ایک طرف رکھ دے تو خواہ وہ یہ سمجھے کہ اب اس کا کام بالکل صاف اور واضح ہو گیا ہے تاہم جوں ہی وہ اپنی تحقیق کا آغاز کرے گا۔ مفروضات پر اس کا یہ تصرف نہ رہے گا کہ وہ ان کو الگ رکھ سکے بلکہ وہ خود ان مفروضات کے غیر شعوری تصرف میں چلا جائے گا کیونکہ تحقیق بہر حال ایک زندہ عمل ہے اور ہر زندہ عمل میں ایک انسان اپنی ثقافت، اپنے عصر، اپنے مدرسہ اور اپنی روایات کے تابع ہونے پر مجبور ہے۔ ایمان اور علم دراصل باطنی ایقان ہی کے دو پہلو ہیں مگر ان دونوں میں ایمان کو تقدم حاصل ہے اور علم کے تمام اعتبارات پر خواہ وہ کیسے ہی غیر واضح ہوں، اس کی بالادستی کا سکھ رواں ہوتا ہے۔ لہذا یہ نظریات ہیں نہ کہ محض اعداد جو تمام طبعی علوم کی بنیاد بنتے ہیں۔ ثقافتی انسان کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اندر اس اصلی سائنس کی لاشعوری طلب کروٹیں لیتی رہتی ہے جو اس کی اپنی ثقافت کی روح کے مطابق ہو اور یہ طلب قدرت کے کسی عالمگیر تصور کو سمجھنے اور اس پر حاوی ہونے اور اس کو اپنی گرفت میں لینے کے لئے کار فرما ہوتی ہے۔ دشوار اور محنت طلب پیمائش، جو محض پیمائشوں کی خاطر کی جائیں، چھوٹے ذہنوں کے لئے باعث اطمینان ہونے کے سوا اور کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔

ہر تصور جو کسی حالت میں بھی دائرہ امکان میں داخل ہوتا ہے اپنے موجد کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ یہ مقولہ کہ ”انسان نے خدا کو اپنے نمونہ پر بنایا ہے“ ہر تاریخی مذہب پر صادق آتا ہے لیکن ہر طبعیاتی علم کے لئے بھی کچھ کم صحیح نہیں خواہ اس علم کی نام نہاد واقعاتی یا تجرباتی اساس کتنی ہی محکم کیوں نہ ہو۔“ ص : ۳۸۱

”عالم کی عقلی تشکیل کی اس صورت کو (یعنی علم طبعیات کو) ایسی ہی

دوسری صورتوں پر اولیت دینے کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں۔ ہر تنقیدی علم، ہر مذہبی یا غیر مذہبی عقیدہ کی طرح باطنی ایقان پر ہی قائم ہوتا ہے۔ اگرچہ ہیئت اور مزاج کے اعتبار سے اس باطنی ایقان کے مظاہر لا تعداد ہوتے ہیں تاہم وہ اپنے بنیادی اصول کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف نہیں ہوتے۔ لہذا طبعی علوم کا مذہب کو ہدف ملامت بنانا ”بورنگ“ ایسے ہتھیار کی طرح ہے جو پھینکنے والے ہی کی سمت میں لوٹ آتا ہے۔

ہر تہذیب خیالات و اعمال کا اپنا منفرد اور ذاتی ہیولی خود تیار کرتی ہے جو اس کے اپنے لئے امر حق ہوتا ہے اور اس وقت تک زندہ رہتا ہے جب تک کہ وہ تہذیب خود زندہ رہتی ہے اور اپنے امکانات کو آشکار کرتی رہتی ہے۔ جب کوئی تہذیب اپنے خاتمہ کے قریب پہنچتی ہے اور اس کے تخلیقی قوی فنا ہو جاتے ہیں یعنی اس کی قوت تخیل اور فکر و زبان کی قوتیں مردہ ہو جاتی ہیں تو صرف بے روح ضابطے اور مردہ نظام ہائے فکر کے ڈھانچے باقی رہ جاتے ہیں جن کو دوسری تہذیب سے وابستہ افراد لفظاً تو پڑھ لیتے ہیں مگر ان کو تہی از معنی محسوس کرتے ہیں یا غیر اہم گردانتے ہیں۔ پھر یا تو وہ ان کو میکانیکی انداز میں محفوظ کر لیتے ہیں یا حقیر جان کر فراموش کر دیتے ہیں۔ اعداد، ضوابط اور قوانین کا کچھ مطلب نہیں اور وہ کچھ نہیں ہوتے۔ ان کے لئے ضروری ہے کہ ان کا کوئی جسد ہو اور صرف ایک ایسی زندہ جماعت ہی جو اپنی وسعت دیتی ہو اور ان کے ذریعہ سے اپنا اظہار کرتی ہو اور اندر ہی اندر ان کو اپناتی ہو ان کو اس نعمت سے ہمکنار کر سکتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ کسی مطلق علم طبیعیات کا وجود نہیں ہوتا بلکہ الگ الگ علوم طبیعیات کا وجود ہوتا ہے۔ جو اپنی مخصوص تہذیبوں کے گہواروں میں پروان چڑھتے اور مٹ جاتے ہیں“

”حسی وقوف میں صرف طول و عرض ہی موجود ہوتا ہے اور یہ تعبیر کا زندہ اور ضروری عمل ہی ہے (اور یاد رہے کہ ہر زندہ چیز کی طرح یہ عمل اپنے اندر سمت، حرکت، اور رجعت ناپذیری کے وہ تمام اوصاف رکھتا ہے جن کو ہمارا شعور ”وقت“ کی اصطلاح میں جمع کر دیتا ہے) جو ان کے اندر گہرائی پیدا کرتا ہے اور اس طرح ان کے تار و بود سے حقیقت اور نوعیت عالم کی تشکیل کرتا ہے۔ زندگی ہمارے تجربات میں، ایک تیسرے بعد کے حیثیت سے داخل ہوتی ہے“

دوم: سائنس کی درسی کتابوں کو نئے سرے سے لکھتے وقت دوسری بات جو ہمیں مد نظر رکھنی چاہئے وہ یہ ہے کہ ہمارا مقصد یہ نہیں ہونا چاہئے کہ ہم سائنسی علوم کو بدل کے اسلام کی اپنی مرغوب اور پسندیدہ تشریح کے مطابق کریں۔ مظاہر قدرت کے مشاہدہ اور مطالعہ سے بتکلف ایسے نتائج اخذ کریں جو اسلام کی اس تشریح کے مطابق درست ہوں جو ہم نے خود کر رکھی ہے۔ ایسا کرنے سے ہمیں ایک طرف سے اس بات کا اندیشہ ہے کہ ہم سائنسداں کی امتیازی خصوصیات یعنی مخلصانہ طلب صداقت اور دیانتدارانہ جستجوئے حقائق سے محروم ہو جائیں گے اور دوسری طرف سے اسلام کی اس توجیہ کو جو ہم نے خود کر رکھی ہے خواہ غلط ہی کیوں نہ ہو سائنس کے نام پر پیش کریں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم سائنس اور اسلام دونوں کو اپنی خواہشات کے مطابق بدل رہے ہوں گے۔ ایسا کرنا ایک بہت بڑا علمی جرم ہوگا۔ جس کا پردہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد خود بخود چاک ہو جائے گا۔ ہمارا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ہم کائنات میں خدا کی خالقیت اور ربوبیت اور تمام صفات جلال و جمال کی کارفرمائی کو ایک معلوم اور مسلم اور بنیادی سائنسی حقیقت کے طور پر سمجھیں اور مظاہر قدرت کا مشاہدہ اور مطالعہ اس کی روشنی میں کریں۔ پھر ہمارے نتائج جس طرف خود بخود چلتے ہیں، چلتے

جائیں اور ہم ان کے پیچھے پیچھے چلیں۔ قرآن حکیم کے اندر ہمیں یہی ہدایت ملتی ہے۔ *یتفكرون في خلق السموات والارض كما مطلب یہ ہے کہ ہم آسمانوں اور زمین کے اندر خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں پر جیسی کہ وہ فی الواقع موجود ہیں۔ غور و فکر کریں نہ یہ کہ ہم اپنی مرضی کے مطابق ان کی توجیہ کریں اور حضور ﷺ کی اس دعائیں بھی یہی ارشاد مضمحل ہے:*

اللهم أرنا الاشیاء كما هی

(ترجمہ) اے ہمارے رب ہمیں چیزوں کو اس طرح دکھا جس طرح وہ فی

الواقع موجود ہیں۔

دونوں باتوں کا فرق

ایک نظریہ حیات کے طور پر اسلام کی صداقت مسلم ہے۔ لیکن اسلام کی مختلف توجیہات کی جاسکتی ہیں اور کی جارہی ہیں اور یہ ممکن نہیں کہ اسلام کی ہر توجیہ صحیح ہو کیونکہ اسلام کی صحیح توجیہ صرف ایک ہی ہو سکتی ہے۔ اسے دریافت کرنا اور اسے اپنا راہ نما بنانا ہمارا فرض ہے۔ کسی علم کو جو اسلام کی کسی خاص توجیہ کے مطابق صحیح نہ ہو بدل کر اسلام کی اس توجیہ کے مطابق کرنا اور عقیدہ توحید یعنی خدا کی خالقیت اور ربوبیت کے عقیدہ کی روشنی میں مظاہر قدرت کا بے لاگ اور دیانت دارانہ مطالعہ اور مشاہدہ کرنا دونوں باتوں میں بہت فرق ہے۔ پہلا کام اس عالم دین کا ہے جو اسلام کی اس خاص توجیہ کا حامی ہو جس کے مطابق وہ کسی علم کو بدلنا چاہتا ہے اور دوسرا کام ایک صحیح الخیال سائنسداں کا ہے۔ سائنسی علوم کی اسلامی یونیورسٹی کو پہلے کام سے نہیں، بلکہ دوسرے کام سے اپنے آپ کو متعلق کرنا پڑے گا۔ سائنسی علوم کی اسلامی یونیورسٹی کا مقصد فقط یہ ہو گا کہ عقیدہ توحید کو جیسا کہ قرآن نے اس کی تشریح کی ہے سائنس کی بنیاد بنایا جائے اور اس کی

روشنی میں سائنسی حقائق اور مشاہدات کے نتائج کو سمجھا اور سمجھایا جائے۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ سائنسداں کی بے لاگ اور دیانتدارانہ سائنسی تحقیق اسے کسی وقت ایسے نتائج پر پہنچادے جو اسلام کی کسی خاص توجیہ کے ساتھ مطابقت نہ رکھتے ہوں۔ اس صورت میں سائنسداں کے لئے ضرور ہو گا کہ وہ ہر حالت میں اپنی تحقیق کے نتائج کے ساتھ وابستہ رہے اور سائنسی نتائج کی دنیا سے باہر اسلام کی توجیہات کی دنیا میں علماء دین کے اختلافات سے الگ رہے۔ یہاں تک کہ اگر اس کے نتائج صحیح ہوں تو علماء دین اس کی روشنی میں اپنے اختلافات کو مٹا کر متحد ہو جائیں یا اگر اس کے اپنے نتائج درست نہ ہوں تو وہ مزید سائنسی تحقیق کی روشنی میں اپنے نتائج کو درست کر کے اتفاقاً اسلام کی کسی اور توجیہ کے ساتھ متفق ہو جائے۔

سائنس کی سیدھی راہ سے انحراف کا علاج

سوئم : تیسری بات جو ہمیں مد نظر رکھنی چاہئے وہ یہ ہے کہ سائنس کا راستہ فقط ایک ہی ہے اور وہ ایک سیدھی سڑک کی طرح ہے جس کی ہر اگلی منزل پچھلی منزل پر منحصر ہوتی ہے۔ اگر سائنس کسی مقام پر غلط ہو کر اس راستہ سے ذرا ہٹ جائے تو پھر وہ ایک غلط راستہ اختیار کرتی ہے اور ہر روز اور زیادہ غلط ہوتی جاتی ہے۔ اور اس کا راستہ سائنس کے اصلی راستہ سے ہر قدم پر اور دور ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک مقام ایسا آجاتا ہے جہاں سے آگے کوئی راستہ ہی نہیں ہوتا اور یہاں آکر غلط راستہ پر اس کی مزید ترقی رک جاتی ہے۔ ایسی حالت میں اگر ہم چاہیں کہ سائنس پھر اپنے اصلی اور صحیح راستہ پر آجائے تو ہمیں اس کو پھر اسی مقام پر واپس لانا پڑے گا جہاں سے اس کا راستہ بدل گیا تھا اور اس غلط سائنسی حقیقت کو درست کرنا پڑے گا جس کی نادرستی کی وجہ سے اس کا راستہ ابتداء میں

غلط ہوا تھا اور اس کی مزید غلطیاں ظہور پذیر ہوئی تھیں۔ اس غلط سائنسی حقیقت کو درست کرنے کے بعد خود بخود اس کی ساری بعد کی غلطیوں کی اصلاح ہو جائے گی۔ لہذا ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا پڑے گا کہ عیسائی مغرب کے سائنسی علوم میں سے ہر ایک کس کس مقام پر غلط راہ سے چل نکلا ہے۔ جہاں اسے پھر واپس لا کر صحیح راستہ پر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک ریل گاڑی جو ایک خاص منزل کی طرف جا رہی ہو، راستہ کے کسی اسٹیشن پر کاشا غلط بدلنے سے کسی غلط لائن پر آجائے اور پھر دور تک اسی پر نکل جائے۔ اگر ہم چاہیں کہ اس کو پھر صحیح لائن پر لے آئیں تو ہم اس کو بعینہ اس مقام پر جہاں سے اس کا کاشا غلط طور پر بدل دیا گیا تھا واپس لانے کے بعد ہی ایسا کر سکتے ہیں لیکن جب ہم ایک دفعہ اس کو صحیح راستہ پر ڈال دیں تو پھر وہ خود بخود صحیح راستہ پر چلتی جاتی ہے۔

طبعیاتی علوم کی تشکیل جدید

طبعیاتی علوم (Physical sciences) میں نصابی کتب کو نئے سرے سے ترتیب دینے کے لئے ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ عیسائی مغرب کی سائنس میں علم طبعیات کی تعریف ان الفاظ میں کی جاتی ہے:

”طبعیات مادہ کا علم ہے“

Physics is the science of matter.

لیکن اسلام کے نقطہ نظر سے یہ تعریف غلط ہے کیونکہ اس کے اندر یہ خیال مضمر ہے کہ مادہ کوئی ایسی چیز ہے جو خود بخود موجود ہے اور جس کا علم ہمیں اس کو جاننے کی خاطر حاصل کرنا چاہئے حالانکہ یہ بات صحیح نہیں۔

یہ تعریف دہریت کے امکان کو تسلیم کرتی ہے اور اس کے لئے راستہ کھلا چھوڑتی ہے لیکن قرآن کی تعلیمات کے مطابق مادہ حتمی طور پر خدا کی خالقیت اور

ربوبیت کی وجہ سے موجود ہے۔ وہ اپنا کوئی بالذات وجود نہیں رکھتا بلکہ اپنے خالق کی خالقیت اور ربوبیت کا ایک نشان (یا آیۃ اللہ) ہے لہذا اس کا جو علم ہو گا وہ پہلے اس کے خالق اور رب کا علم ہو گا تاکہ بنیادی طور پر ہمیں اس کا علم حاصل کرنے کی ضرورت اس لئے ہوگی تاکہ ہم اس کے خالق کی خالقیت اور ربوبیت کو جانیں اور پہچانیں۔ لہذا قرآن کے فلسفہ علم کے مطابق طبعیات کی صحیح تعریف یہ ہوگی:

”طبعیات خدا کے اس تخلیقی اور تربیتی عمل کی سائنس ہے جو مادی دنیا میں ظہور پذیر ہوا ہے“

"Physics is the Science of the creative activity of God as it manifests itself in that part of His creation which is the world of matter."

اگر طبعیات کی درسی کتاب لکھنے والا ماہر طبعیات اس تعریف کو مد نظر رکھے گا تو پھر وہ ہر طبعیاتی حقیقت کو خدا کی صفات خالقیت و ربوبیت کا مظہر سمجھے گا اور اس کو طالب علم کے سامنے اسی حیثیت سے پیش کرے گا۔ عیسائی سائنسدانوں کی تحقیقات کے مطابق مادہ کے وجود اور مادی دنیا کے ارتقاء کا باعث برقی قوت ہے۔ برقی رو کے مثبت اور منفی قطبوں کی باہمی کشش ہر قدم پر مادی دنیا کی تعمیر اور ترقی کا سبب بنتی رہی یہاں تک کہ مادی دنیا اپنی موجودہ حالت تکمیل تک پہنچ گئی مادہ کے تمام قوانین برقی قوت کے عمل کی مختلف شکلیں ہیں۔ سب سے پہلے کسی نامعلوم قوت کے زیر اثر برقی روشنی کی کرنیں کائناتی شعاعوں کی صورت میں وقت اور فاصلہ کی ایک بسیط فضا میں پھیل گئیں۔ پھر ان کائناتی شعاعوں نے برقی لہروں کی چھوٹی چھوٹی گٹھریوں کی صورت اختیار کر لی جنہیں الیکٹران اور پروٹان کہا جاتا ہے۔ پھر ان گٹھریوں کی باہمی کشش کی وجہ سے مختلف ترکیبوں کے یعنی

مختلف عناصر کے جواہر (ایٹم) تیار ہوئے اور بعد کے طبعیاتی ارتقاء کی ساری منزلیں طے ہوئیں۔ ان منزلوں کے طے ہونے کے بعد ہی مادہ کے اندر وہ اسرار و خواص پیدا ہوئے جن میں سے بعض کو آج ہم جانتے ہیں اور جن کی پوری تحقیق علم طبعیات کا موضوع ہے لیکن عیسائی مغرب کے ماہرین طبعیات یہ نہیں بتاتے کہ برقی قوت کہاں سے آئی تھی اور جن تخلیقی اور تربیتی خصوصیات کی وہ حامل ثابت ہوئی ہے وہ اس میں کہاں سے آگئی تھیں۔

بیسویں صدی کے بعض مقتدر ماہرین طبعیات ایک قدم آگے بڑھ کر اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ برقی توانائی بھی مادہ کی آخری حقیقت نہیں اور خود برقی توانائی کی حقیقت ایک شعوری یا ذہنی قوت ہے۔ چنانچہ اس نتیجے کی وضاحت کرنے کے لئے، ایڈنگٹن اور جیمز ایسے نامور ماہرین طبعیات نے کتابیں لکھی ہیں۔ لیکن یہ سائنسداں بھی ہمیں نہیں بتاتے کہ اس ذہن باشعور کے اوصاف و خواص کیا ہیں جو ان کے نزدیک مادہ کی آخری حقیقت ثابت ہوا ہے۔ ایڈنگٹن اسے شعوری مواد (Mind stuff) کہتا ہے گویا اسے شعور قرار دینے کے بعد پھر ایٹمی مادہ سے الگ نہیں کرتا بلکہ ایک قسم کا مادہ ہی سمجھتا ہے اور جیمز جیمز یہ کہہ کر بات ختم کر دیتا ہے کہ یہ شعور ایک ریاضیاتی ذہن (Mathematical Mind) ہے یعنی ریاضیات جانتا ہے۔

در اصل چونکہ عیسائی دنیا کے سائنسداں اس نامعقول عقیدہ یا تعصب سے آغاز کرتے ہیں کہ خدا کے عقیدہ کو سائنس سے الگ رہنا چاہئے وہ اپنے مشاہدات کی واضح دلالت کے باوجود اس نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے کہ شعور جو حقیقت کائنات ثابت ہوتا ہے محض شعور ہی نہیں بلکہ ایک شخصیت ہے جو کائنات کی خالق اور رب ہے۔ اور شخصیت کی دوسری صفت کی مالک ہے۔ انسانوں کے مشاہدات کے مطابق ایسا شعور ایک شخصیت ہی کا خاصہ ہے اور

ضروری ہے کہ وہ جہاں بھی ہو شخصیت کی صفات کا مالک ہو۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سائنسداں اپنے تجربات اور مشاہدات سے اس نتیجے پر تو پہنچ جائے کہ فلاں جگہ دھواں موجود ہے لیکن اس نتیجے پر پہنچنے سے گریز کرے کہ وہاں آگ بھی ہے حالانکہ انسانوں کے مشاہدات کے مطابق دھواں کبھی آگ کے بغیر نہیں ہوتا۔ اور وہ گریز اس لئے کرے کہ اس نے یہ اصول پہلے ہی سے طے کر لیا ہے کہ وہاں آگ کو نہیں ہونا چاہئے۔ مغربی سائنسدانوں کا یہ تعصب اس بات کا ثبوت ہے کہ سائنسداں جس تصور حقیقت سے اپنی سائنسی تحقیق کا آغاز کرتا ہے۔ آخر تک اس کے دائرہ سے باہر نہیں جاسکتا۔ اور یہ بات قرآن کے اس ارشاد کی صداقت کی بھی ایک دلیل ہے کہ جب آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود انسان صحیح نتائج پر نہ پہنچ سکے تو اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوتی کہ تعصب نے دلوں کو اندھا کر دیا ہے۔

فانہا لا تعمی الابصار ولكن تعمی القلوب التی فی الصدور

قرآن کی تعلیم

اس کے برعکس قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ خدا نے کائنات اور کائنات کی ہر چیز کو اپنے حکم سے پیدا کیا ہے وہی کائنات اور کائنات کی ہر چیز کا پرورش کنندہ اور کار ساز ہے۔

اللہ خالق کل شئی وهو علی کل شئی وکیل

(ترجمہ) خدا ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ہر چیز کا کار ساز بھی ہے۔

انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول له کن فیکون

(ترجمہ) بیشک اس کے حکم کیفیت یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو

اسے کہتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔

لہذا جب ہم عقیدہ توحید کی روشنی میں موجودہ طبیعیاتی علوم پر نظر ثانی کریں گے تو ہمیں ان تمام علوم کا بنیادی تصور یہ قرار دینا پڑے گا کہ بیسویں صدی کے ماہرین طبیعیات مثلاً جیمز جینز اور ایڈنگٹن کا یہ خیال درست ہے کہ حقیقت کائنات ایک ریاضیاتی شعور ہے لیکن ریاضیاتی شعور شخصیت کے باقی اوصاف کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ لہذا وہ ریاضیاتی شعور خدا ہے جو کائنات کا خالق اور رب ہے اور حکیم و علیم ہے۔ برقی قوت از خود موجود نہیں ہوئی تھی بلکہ خدا کے حکم سے اور قول کن سے پیدا ہوئی تھی۔ گویا خدا کے ارادہ تخلیق کی قوت یا اس کے قول کن کی قوت نے ہی برقی قوت کی صورت اختیار کی تھی۔ ادھر خدا نے قول کن کہا اور ادھر برقی قوت کار فرما ہو گئی۔ اور برقی قوت کی صفات بھی ایک عمل تخلیق میں سے گذری ہیں اور اس عمل کے دوران میں اس کی ہر خاصیت بروقت ضرورت، ایک خاص مقصد کے ماتحت مادہ کی مکمل تدریجی اور تربیت کے لئے خدا کے حکم سے وجود میں آئی تھی اور اس وقت سے لے کر مستقل طور پر اس میں موجود چلی آتی ہے۔ پھر الکتروانوں اور پروٹانوں کا مل کر مختلف عناصر کو ترتیب دینا اور مادہ کی دوسری خاصیتوں کا مادی ارتقاء کے قدم قدم پر ایک ایک کر کے ظہور پانا خدا کے حکم سے ممکن ہوا ہے ورنہ مادہ کے اندر اس قسم کے ارتقاء کی منزلیں خود بخود طے کر لینے کی کوئی صلاحیت موجود نہ تھی مثلاً آکسیجن (Oxygen) اور ہائیڈروجن (Hydrogen) میں کوئی ایسی خصوصیت نہیں تھی جس سے وہ مل کر پانی بنادیں اور پانی کے وجود میں آنے سے پہلے کوئی سائنسداں آکسیجن اور ہائیڈروجن کی خاصیات کا مشاہدہ اور مطالعہ کر کے یہ نتیجہ اخذ نہ کر سکتا تھا کہ ان کا ایک خاص نسبت سے کیمیائی ترکیب پانا ممکن ہے اور ان کی ترکیب کا نتیجہ پانی ایسے ایک سیال کی صورت میں رونما ہوگا۔ ان کا مل کر پانی بن جانا خدا کے حکم سے ممکن ہوا ہے۔ ارتقائے ابدائی (Emergent Evolution) کا نظریہ

قرآن کے اس نظریہ کے بہت قریب پہنچ جاتا ہے اگرچہ اس کے عیسائی قائلین اپنے مخصوص عیسائیت نواز فلسفہ علم کی وجہ سے اس بات کا اعتراف نہیں کرتے کہ کائنات کے عمل ارتقاء کے ہر قدم پر جو غیر متوقع لیکن معنی خیز تغیرات اس کو وجود میں لاتے رہے ہیں۔ اور لارے ہیں ان کا آخری سبب کسی قادر مطلق خدا کے ارادہ تخلیق کی قوت ہے۔

حیاتیاتی علوم کی تشکیل جدید

اسی طرح سے حیاتیاتی علوم (Biological Sciences) میں درسی کتابوں پر نظر ثانی کرنے کے لئے ہمیں سب سے پہلے حیاتیات کی تعریف پر نظر ثانی کرنا چاہئے۔ مغربی عیسائی سائنسدانوں نے حیاتیات کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

”حیاتیات زندگی (یعنی زندہ اجسام) کی سائنس ہے“

Biology is the Science of life.

لیکن طبعیات کی تعریف کی طرح ان کی یہ تعریف بھی غلط ہے کیونکہ اس میں بھی اس بات کو نظر انداز کیا گیا ہے کہ زندگی خود بخود موجود نہیں بلکہ خدا نے بیدار کی ہے اور خدا کی خالقیت اور ربوبیت کا ایک مظہر ہے۔ لہذا حیاتیات کی صحیح تعریف اس طرح سے کی جائے گی:

”حیاتیات خدا کے اس تخلیقی اور تربیتی عمل کی سائنس ہے جو خدا کی تخلیق کے

اس حصہ میں جسے ہم جاندار اجسام کی دنیا کہتے ہیں ظہور پذیر ہوا ہے“

"Biology is the Science of the creative activity of

God as it manifests itself in the world of life."

حیاتیاتی علوم کے دائرہ میں عیسائی مغرب کے سائنسدانوں کی تحقیق یہ ہے

کہ جب مادہ اپنے ارتقا کی انتہا کو پہنچ گیا تو بعض نامعلوم اسباب کے ماتحت سمندروں کے کناروں پر کسی جگہ کچھڑ میں ایک زندہ خلیہ نمودار ہوئی جسے اب ایسا کہا جاتا ہے۔ یہ خلیہ خود بخود خوراک حاصل کرنے اور زندہ رہنے کے لئے جدوجہد کرنے لگی لہذا زندہ رہی اور اس کی نسل ترقی کرتی رہی۔ اس کی نسل کے افراد کی جسمانی ساخت میں بغیر کسی وجہ کے قدرتی طور پر ہر قسم کی تبدیلیاں ہوتی رہیں جن کے جمع ہو جانے سے بعض نئی قسم کے جاندار ظہور میں آتے رہے۔ وہ جاندار جن کی جسمانی تبدیلیاں ایسی تھیں کہ وہ ان کو اتفاقاً کشمکش حیات کے لئے موزوں بناتی تھیں زندہ رہے اور باقی کشمکش حیات کے اس امتحان میں ناکام ہو کر موت کے گھاٹ اتر گئے۔ گویا کشمکش حیات کی ضرورت کی وجہ سے قدرت خود بخود بقائے ا صلح کی وجہ سے زندہ رہنے کے قابل جانداروں کا انتخاب کرتی رہی۔ یہ کشمکش حیات اور بقائے ا صلح اور قدرتی انتخاب کے بے پرواہ اصولوں کی کار فرمائی تھی۔ اس طرح سے جو نئی نئی انواع حیوانات وجود میں آتی رہیں ان میں سے ایک انسان ہے۔ جو قدرت کی محولہ بالا اندھا دھند قوتوں کے عمل سے اتفاقاً پیدا ہو گیا ہے۔ ان سائنسدانوں کا خیال ہے کہ نوع انسانی اتفاقاً جن حیاتیاتی تغیرات میں سے گزری ہے چونکہ وہ اس کی حیاتیاتی تعمیر کے اندر راسخ ہو گئے ہیں لہذا انسانی جنین ماں کے رحم کے اندر ان کا اعادہ کرتا ہے۔ چونکہ یہ نظریہ جو انیسویں صدی میں پیش کیا گیا تھا عیسائیت کے لادینی فلسفہ علم کے عین مطابق تھا۔ اس لئے اسے اپنے زمانہ میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور یہ نظریہ اب تک بھی جو لین ہکسلے (Julian Huxley) ایسے نامور ماہرین حیاتیات کے نزدیک حیاتیاتی ارتقا کا معیاری نظریہ ہے لیکن چونکہ یہ نظریہ مشاہدہ میں آنے والے بعض قدرتی حالات اور واقعات کے خلاف تھا لہذا بعض عیسائی سائنسدانوں نے ہی جن میں برگساں (Bergson) اور ڈریش (Driesch)

زیادہ مشہور ہیں اسکی تردید کی اور اس کے بالمقابل اور نظریات پیش کئے جن میں قدر مشترک یہ ہے کہ خود جاندار کے جسم کے اندر ایک باشعور تخلیقی قوت کار فرما ہے جسے قوت حیات کہنا چاہئے ڈریش نے بالخصوص جانداروں کے جنین پر تجربات کر کے یہ دریافت کیا کہ یہ قوت حیات مزاحمتوں کے باوجود اپنی طے کی ہوئی سمت میں جاندار کی نشوونما کرتی ہے۔ لہذا اپنے مقصد کو جانتی ہے اور اس کے حصول پر قدرت رکھتی ہے اور اس کا مقصد جاندار کی تربیت اور نشوونما کرنا ہے جس میں اس کی صحت اور تندرستی کو قائم رکھنا بھی شامل ہے۔ ماں کے رحم کے اندر انسانی جنین کے با مقصد اور با معنی تغیرات اسی قوت کی کار فرمائی کا نتیجہ ہیں۔ یہی قوت جاندار کی جسمانی ساخت کو بہتر بنا کر اسے ایک اور زیادہ ترقی یافتہ جاندار کی صورت میں بدلنے کا موجب ہوتی ہے۔ اسی قوت کے عمل کی وجہ سے ہی انواع حیوانات میں وہ حیاتیاتی ارتقا ہوتا رہا ہے جس کا منتہائے کمال انسان کا ظہور ہے برگساں اور ڈریش نے اپنے ان نتائج سے جو آخری نتیجہ نکالا ہے وہ یہ ہے کہ یہی باشعور قوت حیات، حقیقت کائنات ہے۔ لیکن ان کے نتائج یہ ہیں ختم ہو جاتے ہیں۔ ماہرین حیاتیات بھی اس نتیجہ پر پہنچنے کے بعد کہ حقیقت کائنات شعور ہے یہ کہنے سے گریز کرتے ہیں کہ یہ شعور ایک شخصیت ہے جو قادر مطلق ہے اور کائنات کی خالق اور رب ہے اور اس کی وجہ پھر عیسائی مغرب کا وہی غیر سائنسی عقیدہ ہے کہ سائنس کو خدا کے عقیدہ سے الگ رہنا چاہئے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں مغرب کا علم حیاتیات اپنے صحیح راستہ سے ہٹ گیا ہے اور اس سے اس کا ہٹ جانا نفسیاتی اور انسانی علوم کی ترقی کے لئے ایک بہت بڑی رکاوٹ کا موجب ہوا ہے۔ ان نظریات کے بالمقابل قرآن کا نظریہ یہ ہے کہ وہ قوت حیات جو حیاتیاتی ارتقا کا باعث ہے جو جاندار کے جسم کے اندر اس کی تخلیق و تربیت کے لئے کار فرما ہے اور جو رحم مادر کے اندر انسانی جنین کے با مقصد اور با معنی

تغیرات کا باعث ہے خدا کے ارادہ تخلیق و تربیت کی قوت ہے۔

ثم جعلناه نطفة في قرار مكين . ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاما فكسونا العظام لحما . ثم انشأناه خلقا آخر فبرك الله احسن الخالقين .

(ترجمہ) پھر ہم نے اسے نطفہ بنایا ایک ٹھہر جانے اور جماؤ پانے کی جگہ میں۔ پھر نطفہ کو ہم نے علقہ بنایا پھر علقہ کو ایک گوشت کا ٹکڑا سا کر دیا پھر اس میں ہڈیوں کا ڈھانچہ پیدا کیا۔ پھر ڈھانچے پر گوشت کی تہ چڑھادی۔ پھر دیکھو اسے کس طرح ایک دوسری ہی طرح کی مخلوق بنا کر نمودار کر دیا۔ تو کیا ہی برکتوں والی ہستی ہے اللہ کی۔ پیدا کرنے والوں میں سب سے بہتر پیدا کرنے والا۔

فاذا مرضت فهو يشفين .

(ترجمہ) جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ خدا مجھے شفا بخشتا ہے۔

ظاہر ہے کہ قرآن کے نقطہ نظر کے مطابق سب ارتقا کا پہلا نظریہ جسے ڈارون اور اسکے ہم خیالوں کی حمایت حاصل ہے قطعی طور پر غلط ہے لیکن برگسان (Bergson) اور ڈریش (Driesch) کے نظریات قرآن کے نظریہ سے زیادہ قریب ہیں۔ قرآن کے اس نظریہ کے مطابق جب ہم حیاتیاتی علوم میں درسی کتابوں کی تشکیل کریں گے تو ہمیں ان علوم کا بنیادی تصور یہ قرار دینا پڑے گا کہ برگسان اور ڈریش ایسے ماہرین حیاتیات کا یہ خیال درست ہے کہ جاندار کے جسم کے اندر ایک باشعور اور با مقصد قوت حیات کار فرما ہے جو ایک خاص طے شدہ شکل و صورت اور مقصد اور مدعا کے مطابق جاندار کی نشوونما کرتی ہے۔ اس قوت کا عمل اگرچہ جاندار کی نشوونما کے لئے ظہور پاتا ہے۔ تاہم وہ جاندار کے اپنے اختیار اور ارادہ سے باہر ہوتا ہے جس سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ یہ قوت کوئی مادی یا حیاتیاتی قوت نہیں جو اتفاقاً جاندار کے جسم کے اندر پیدا ہو گئی

ہے بلکہ ایک قادر مطلق رحیم و کریم، خالق اور رب خدا کے ارادہ تخلیق و تربیت کی قوت ہے جو محض اس کے قول کن سے کار فرما ہو گئی ہے۔ یہی قوت مادی مرحلہ ارتقا میں برقی قوت کی صورت میں اپنا کام کر رہی تھی اور یہی قوت حیاتیاتی عمل ارتقاء کو لاکھوں برس تک ایک خاص سمت میں متواتر آگے دھکیلتی رہی یہاں تک کہ جسم انسانی ظہور پذیر ہوا۔ حیاتیات میں اس تصور کے داخل کرنے سے علم حیاتیات پھر اپنی ترقی کے صحیح راستہ پر آجاتا ہے اور انسانی اور نفسیاتی علوم کی صحیح راہ نمائی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

نفسیاتی علوم کی تشکیل جدید

نفسیاتی اور انسانی علوم کے دائرہ میں خدا اور سائنس کی بے تعلقی کے نظریہ پر اصرار کرنے والے مغربی سائنسدانوں کی پراگندہ خیالی اس سے لہیں زیادہ ہے جو ہمیں ان کے حیاتیاتی علوم میں نظر آتی ہے۔

ان میں سے ایک گروہ تو ان لوگوں کا ہے جو سرے سے انکار کرتے ہیں کہ ہمیں یہ فرض کرنے کی ضرورت ہے کہ انسانی اعمال و افعال کا سرچشمہ کوئی ایسی چیز ہے جسے نفس انسانی (Human mind) کہا جاتا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ انسان فقط کسی بیرونی محرک (Stimulus) سے متاثر ہو کر اور اس کے جواب (Re-sponse) میں کسی کردار (Behaviour) کا اظہار کرتا ہے۔ انسان کا نفس یا ذہن ہمیں نظر نہیں آتا اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ درحقیقت موجود ہے لیکن ہم انسان کے کردار کو دیکھ سکتے ہیں اور سمجھ سکتے ہیں۔ یہ واٹسن (Watson) اور اس کے شاگرد ہیں جو کرداریت (Behaviourism) کے حامی ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک نفسیات کی تعریف یہ ہے :-

”نفسیات کردار کا علم ہے“

"Psychology is the Science of behaviour."

دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو نفس انسانی کے وجود کے قائل تو ہیں اور نفسیات کی تعریف اس طرح سے کرتے ہیں:

"نفسیات، نفس انسانی کا علم ہے،"

"Psychology is the Science of mind."

لیکن نفس انسانی کے بلند ترین وظائف کو جو انسان کے ساتھ مخصوص ہیں انسان کی حیوانی فطرت کے بعض تقاضوں کی پیداوار اور انہی کا خدمتگار سمجھتے ہیں۔ یہ دوسرا گروہ فطرت انسانی کے بارے میں جن حقائق پر اب تک متفق ہو سکا ہے وہ یہ ہیں:

(۱) انسان کی بعض خواہشات ایسی ہیں، جو حیوان اور انسان دونوں میں مشترک ہیں اور وہ انسان کی حیوانی جبلتیں ہیں۔ جن کا مقصد یہ ہے کہ حیوان یا انسان ان کی تشفی کر کے اپنے آپ کو اور اپنی نسل کو قائم رکھ سکے۔

(۲) انسان کی بعض خواہشات ایسی ہیں جو انسان سے خاص ہیں اور جن میں حیوان اس کے ساتھ شریک نہیں۔ ان سب خواہشات کا مقصد کسی نہ کسی صورت میں حسن کی طلب ہے اور ان میں سب سے بڑی اور مرکزی خواہش کسی ایسے کی محبت یا جستجو کی خواہش ہے جس کی طرف انسان حسن کے بعض اوصاف منسوب کرتا ہو۔ اس قسم کے تصور حسن کو نظریہ یا نصب العین (ideal) بھی کہا جاتا ہے۔

(۳) انسان کی فطرتی خواہشات میں سے ایک خواہش ایسی ہے جو اس کی تمام خواہشوں پر جن میں اس کی حیوانی جبلتیں بھی شامل ہیں، حکمران ہے اور اس کے سارے اعمال و افعال کو اپنے ماتحت منظم کرتی ہے۔ گویا ایسی خواہش انسانی افعال کی قوت محرکہ ہے۔ یہی سبب ہے کہ انسان کے سارے اعمال و افعال کے اندر

ایک وحدت ہے جس کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ہر فرد انسانی ایک شخصیت یا انفرادیت رکھتا ہے۔

لیکن اگر انسان کی کوئی خواہش ایسی ہے جو اس کے سارے اعمال و افعال کی قوت محرکہ اور منظمہ ہے تو ضروری ہے کہ انسان کے تمام انفرادی اور اجتماعی مشاغل خواہ وہ اخلاقی ہوں یا سیاسی، یا اقتصادی، یا قانونی، یا تعلیمی یا علمی، یا فنی۔ اسی کے مظاہر ہوں اور تمام انسانی علوم یعنی فلسفہ سیاست، فلسفہ اقتصادیات، فلسفہ اخلاق، فلسفہ قانون، فلسفہ تعلیم، فلسفہ علم اور فلسفہ فن وغیرہ اسی پر مبنی ہوں اور اسکی مادیت اور حقیقت کے مختلف پہلوؤں کے فلسفے ہوں اور اسی کے وظائف کے تشریحی اور تفصیلی علوم ہوں۔ انسان کی یہ خواہش گویا تمام انسانی علوم کے لئے کلید کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ خواہش جس قدر اہم ہے اسی قدر اس دوسرے گروہ سے تعلق رکھنے والے عیسائی مغرب کے سائنسدان اس کی نوعیت اور حقیقت کے متعلق کوئی یقینی یا قطعی رائے قائم کرنے سے قاصر ہیں۔ انہوں نے اس کے متعلق جتنے نظریات قائم کئے ہیں ان میں کوئی بھی ایسا مدلل اور منظم نہیں کہ انسانی فعلیتوں میں سے کسی فعلیت کے فلسفہ کی بنیاد اس پر رکھی جاسکے۔ چنانچہ مغربی فلسفیوں میں سے (سوائے کارل مارکس کے جس کا فلسفہ محرک اعمال انسانی فطرت انسانی کے حقائق سے مطابقت نہیں رکھتا اور لہذا درست نہیں ہو سکتا) کوئی بھی ایسا نہیں جس نے اپنے فلسفہ سیاست یا فلسفہ اخلاق یا فلسفہ اقتصادیات یا فلسفہ قانون یا فلسفہ تعلیم یا فلسفہ علم یا فلسفہ جمالیات یا فلسفہ تاریخ کی بنیاد انسانی اعمال کی قوت محرکہ کے کسی واضح فلسفہ پر رکھی ہو۔ ان میں سے ایک فریق کا خیال یہ ہے کہ انسانی اعمال کی قوت محرکہ جبلت جنس ہے اور نظریات یا نصب العین جبلت جنس سے پیدا ہوتے ہیں اور اسی کے خدمت گزار ہیں۔ جب انسان کی جبلتی خواہشات اپنا صحیح اظہار نہیں پاسکتیں تو وہ بگڑ کر کسی نظریہ کی

صورت اختیار کر لیتی ہیں تاکہ انسان ان سے ایک قائم مقام تسلی حاصل کر سکے۔ یہ فرائڈ اور اس کے شاگرد ہیں۔ دوسرا فریق یہ سمجھتا ہے کہ انسان کے اعمال کی قوت محرکہ، جبلت تفوق یا جبلت استیلاء ہے اور نظریات جبلت استیلاء سے پیدا ہوتے ہیں۔ جب انسان کی جب تفوق مطمئن نہیں ہو سکتی تو انسان کوئی ایسا بلند قسم کا خیالی نظریہ پیدا کر لیتا ہے جو اس کی مسدود خواہش تفوق کی تشفی کر سکے اور پھر اس کی جستجو کرنے لگتا ہے۔ یہ ایڈلر اور اسکے شاگردوں کا گروہ ہے۔ ایک اور فریق یہ سمجھتا ہے کہ انسان کے اعمال کا سرچشمہ تمام جبلتوں کا مجموعہ ہے اور نظریات جبلتوں کے ایک نفسیاتی مرکب سے جسے وہ جذبہ ذات اندیشی (Senti-ment of self-regard) کہتے ہیں۔ پیدا ہوتے ہیں اور پھر جبلت تفوق اس مرکب کو اکساتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کسی نظریہ کے مطابق عمل کرنے لگتا ہے یہ خیال میکڈوگل اور اس کے ہم نواؤں کا ہے ایک اور فریق یہ سمجھتا ہے کہ انسانی اعمال کی قوت محرکہ، جبلت تغذیہ یا ضرورت خوراک ہے جس میں وہ موسم کے مطابق لباس اور اقامتی مکان بھی شامل کرتے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ جب انسانی زندگی کی یہ بنیادی ضرورتیں ٹھیک طرح سے پوری نہیں ہوتیں تو وہ فرض کر لیتا ہے کہ اس کو ان چیزوں کی نہیں بلکہ کسی نظریہ یا نصب العین کی ضرورت ہے۔ لہذا وہ کوئی مناسب خیالی نظریہ پیدا کر لیتا ہے جس کے نتیجے کے پردہ میں وہ درحقیقت اپنی اقتصادی ضرورتوں کی تشفی کا سامان پیدا کرنا چاہتا ہے۔ دراصل اس کا نظریہ اس کی اقتصادی ضرورتوں کی ایک بگڑی ہوئی شکل ہوتا ہے۔ یہ کارل مارکس اور اس کے شاگردوں کا نظریہ ہے۔

ان نظریات میں سے ہر نظریہ کے اندر عقلی اور علمی نقطہ نظر سے بہت سی کمزوریاں اور خامیاں ہیں جن کی وجہ سے ہر نظریہ ناقصی بخش ہے۔ ان تمام نظریات میں قدر مشترک یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کسی ایک حیوانی جبلت کو یا

تمام حیوانی جبلتوں کو انسان کے اعمال کا محرک قرار دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے موجد فلسفیوں کے ذہن خدا اور سائنس کے افتراق کی فضا میں نشوونما پائے ہوئے ہیں۔ ڈارون کے نظریہ کے زیر اثر ان کا خیال یہ ہے کہ سب سے پہلے مادہ تھا۔ مادہ سے پہلے کچھ نہیں تھا۔ اور کسی قادر مطلق خدا کا ارادہ تخلیق مادہ کے ظہور کا سبب نہ تھا۔ مادہ کے بعد حیوان وجود میں آیا اور حیوان سے انسان پیدا ہوا۔ لہذا اگر انسان میں کوئی ایسی خواہش ہے جو حیوان میں نہیں تھی مثلاً یہی نظریہ یا نصب العین کی محبت تو وہ لامحالہ حیوان کی بعض خواہشات سے جن کو جبلتیں کہا جاتا ہے۔ پیدا ہو سکتی ہے ورنہ اس کا وجود ممکن نہیں لہذا یہ جبلتیں ہی ہیں جن میں سے کوئی ایک یا جن کا مجموعہ آخر کار انسان کے اعمال کی قوت محرکہ ہے۔

اس کے برعکس قرآن حکیم کی تعلیم یہ ہے کہ انسان کے سارے اعمال و افعال کی قوت محرکہ خدا کی محبت ہے جو کائنات کا خالق اور رب ہے۔ خدا کی محبت خدا کی ستائش اور عبادت اور اطاعت کا تقاضا کرتی ہے اور یہ وہ اعمال ہیں جن کو دین کہا جاتا ہے۔ اس دین پر یکسوئی سے قائم رہنا یعنی ان تمام خواہشات کو جو اس سے ہٹانے والی ہوں ترک کرنا اور اپنے تمام اعمال کو اس کے تابع رکھنا اور اسی کو اپنے سارے اعمال کا محرک بنانا۔ نوع انسانی کی فطرت ہے جو مستقل اور محکم ہے اور تبدیل نہیں ہو سکتی۔ اور چونکہ یہ دین انسانی فطرت کی پختہ اور محکم بنیادوں پر قائم ہے لہذا پختہ اور محکم ہے۔

اقم وجهك للدين حنيفاً فطرة الله التي فطر الناس عليها لا

تبدیل لنخلق الله ذلك الدين القيم

(ترجمہ) اے پیغمبر دین پر یکسوئی سے قائم رہئے یہ خدا کی پیدا کی ہوئی وہ فطرت ہے جس پر خدا نے انسانوں کو پیدا کیا ہے خدا کی تخلیق میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

یہی دین محکم ہے۔

خدا نے انسان کو سوائے عبادت کے کسی اور کام کیلئے پیدا ہی نہیں کیا۔ خدا کی عبادت کا جذبہ اس کی فطرت میں رکھ دیا گیا ہے اور عبادت یہ ہے کہ انسان کسی کام کو خدا کی محبت اور رضامندی کے لیے کرے۔ گویا اگر انسان اپنی فطرت کا پابند رہے تو خدا کی محبت کے سوائے اس کے اعمال کا کوئی اور محرک نہیں ہو سکتا:

ما خلقت الجن والانس الا ليعبدون

(ترجمہ) میں نے جنوں اور انسانوں کو سوائے عبادت کے اور کسی غرض کے

لیے پیدا نہیں کیا۔

حضور ﷺ کو یہ حکم ہوا کہ کہہ دیجئے کہ میری نماز اور قربانی ہی نہیں بلکہ

میرا جینا اور مرنا ہر چیز خدا کی عبادت کے لئے وقف ہے۔

اور اس میں خدا کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کرنا یعنی اپنی زندگی کے بعض اعمال کو خدا کے لئے وقف کرنا اور بعض کو غیر اللہ کے لئے وقف کرنا جس میں میری ذات بھی شامل ہے ممکن نہیں مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں اس کے حکم کے سامنے سب سے پہلے سر جھکاتا ہوں:

قل ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی لله رب العالمین لا

شریک له و بذالك امرت و انا اول المسلمین

(ترجمہ) اے پیغمبر کہہ دیجئے کہ میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور

موت سب اللہ کے لئے ہیں جو اہل جہاں کا پروردگار ہے۔ اس کا کوئی شریک

نہیں اور مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔

ان آیات مبارکہ کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہے کہ اگر انسان کے تمام

اعمال و اشغال خدا کی محبت کے لئے سرزد ہوں تو یہ اس کی فطرت کا عین تقاضا

ہوگا۔

قرآن حکیم نے انسان کی جبلتی خواہشات اور نصب العین یا نظریاتی خواہشات کے باہمی تعلق کی وضاحت کر دی ہے۔ انسان کی جبلتی حیوانی قسم کی خواہشات کو قرآن کی اصطلاح میں ہوئی کہا گیا ہے۔ جب انسان خدا کی محبت کو چھوڑ کر اپنی کسی جبلتی خواہش کو اپنے اعمال کا محرک بناتا ہے تو وہ اپنی اس خواہش کو خدا کا مقام دیتا ہے کیونکہ انسان کی فطرت کی رو سے خدا کی محبت ہی کو یہ مقام حاصل ہے کہ وہ انسان کے اعمال کا محرک بنے:

افرایت من اتخذ الہہ ہواہ

(ترجمہ) اے پیغمبر کیا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا جس نے اپنی جبلتی خواہشات کو اپنا خدا بنا لیا ہے۔

انسان کا جو عمل خدا کی محبت کے لئے سرزد ہو وہ عمل صالح ہے اور جو اس کی جبلتی یا حیوانی خواہشات کے ماتحت اور ان ہی کی اعانت یا خدمت کے لئے سرزد ہو وہ غیر صالح ہے۔ انسان کی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے سارے اعمال صالح ہوں اور اس کا کوئی ایک عمل بھی غیر صالح نہ ہو یعنی اس کے سارے اعمال خدا کی محبت کے سرچشمہ سے نکلیں اور خدا کی محبت ہی ان کا محرک بنے۔ عمل صالح کو عمل غیر صالح سے مخلوط کرنا انسان کی فطرت نہیں اگر کوئی ایسا کرے گا تو اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے اور توبہ کرنے سے وہ نجات تو پا جائے گا لیکن خدا کے مقربین میں داخل نہیں کیا جائیگا۔

وآخرین اعترفوا بذنوبہم خلطوا عملاً صالحاً

اور دوسرا گروہ جنہوں نے گناہوں کا اعتراف کر لیا اور عمل صالح کو عمل غیر صالح سے خلط ملط کر دیا۔

مومن خدا کی محبت کے تقاضوں پر سختی سے کاربند رہتا ہے اور اپنے کسی عمل کو ان تقاضوں کے خلاف سرزد نہیں ہونے دیتا:

والذین آمنوا اشد حباً لله

وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں خدا سے شدید محبت رکھتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ جن لوگوں کا عمل خدا کی محبت کے تقاضوں کے مطابق سرزد نہیں ہوتا اس لئے کہ وہ خدا کو مانتے نہیں یا کسی اور سبب سے تو قرآن کی رو سے ان کا فطرتی محرک عمل کیوں کام نہیں کرتا۔ قرآن حکیم اس سوال کا جواب یہ دیتا ہے کہ ان کا فطرتی محرک عمل برابر اپنا کام کر رہا ہوتا ہے لیکن وہ اللہ کو نہ جاننے یا کم جاننے کی وجہ سے اللہ کی صفات حسن و کمال کسی غیر اللہ کے وجود کے تصور کو سوئپ کر اسی کو اپنا خدا بنا لیتے ہیں۔ پھر اسی کی محبت ان کے اعمال کا محرک بن جاتی ہے اور ان کی باقی تمام خواہشات کو اپنے ماتحت کر لیتی ہے بالکل اسی طرح جیسے کہ خدا کی محبت مومن کے اعمال کا محرک ہوتی ہے اور مومن کی باقی خواہشات کو اپنے ماتحت کر لیتی ہے :

واتخذوا من دون الله انداداً يحبونهم كحب الله

اور انہوں نے خدا کو چھوڑ کر بعض معبود بنائے ہیں جن سے وہ ایسی محبت کرتے ہیں جو فقط خدا کے لائق ہے۔

لیکن قرآن کا ارشاد یہ ہے کہ اس صورت میں کچھ عرصہ کے بعد اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا تصور حسن در حقیقت ناقص ہے اور اپنے نقائص کی وجہ سے اس کے جذبہ حسن کو مطمئن کر سکتا اور اس کی محبت کی پیاس کو نہیں بجھا سکتا ناقص اور غلط تصور حسن یا ناقص اور غلط معبود ایک سراب کی طرح ہے۔ جس کے پاس ایک پیاسا اپنی پیاس بجھانے کے لئے آتا ہے لیکن جب وہ اس کے پاس پہنچ جاتا ہے تو وہاں کچھ بھی نہیں پاتا۔

كسراب بقیعة يحسبه الظمآن ماء فاذا جاء لم يجدہ شیئاً

جنگل کے ایک سراب کی طرح کہ پیاسا سے پانی سمجھتا ہے لیکن جب اس کے

پاس آتا ہے تو کچھ نہیں پاتا۔

اس کا چاہنے والا ایسے شخص کی طرح ہے جو کوئیں کے پانی کی طرف پانی کیلئے ہاتھ پھیلاتا ہے لیکن محض ہاتھ پھیلانے سے پانی اسے کہاں مل سکتا ہے:

الا کبساط کفیه الی الماء لیبلغ فاه وما هو ببالغہ

اس شخص کی طرح جو پانی کی طرف ہاتھ پھیلاتا ہے کہ وہ اس کے منہ تک پہنچ جائے لیکن وہ اس کے منہ تک پہنچنے والا نہیں۔

لہذا وہ اسے ترک کر کے کسی اور تصور کو اپنا معبود بناتا ہے۔ گویا ناقص تصور، ناقص ہی نہیں ہوتا بلکہ ناپائیدار بھی ہوتا ہے۔

مثل کلمة خبیثة کشجرة خبیثة اجشت من فوق الارض مالها من قرار

ایک ناپاک تصور کی مثال ایک ناپاک درخت کی طرح ہے جو زمین سے اکھاڑ پھینکا جاتا ہے اور اسے پائیداری نصیب نہیں ہوتی۔

مثل الذین اتخذوا من دونہ اولیاء کمثل العنکبوت اتخذت بیتاً ان اوھن البیوت لبیت العنکبوت

وہ لوگ جنہوں نے خدا کو چھوڑ کر اوروں کو دوست بنایا ہے ان کی مثال مکڑی کی طرح ہے جو گھر بناتی ہے۔ بیشک تمام گھروں میں سب سے زیادہ کمزور گھر مکڑی کا ہی ہوتا ہے۔

اس کے بالمقابل خدا کا تصور پختہ اور پائیدار ہوتا ہے۔

ومن یکفر بالطاغوت و یومن باللہ فقد استمسک بالعروة الوثقی

لا انفصام لھا

اور جو شخص بتوں سے کفر کرتا ہے اور خدا پر ایمان لاتا ہے بیشک وہ ایک ایسے مضبوط

حلقہ کو تھام لیتا ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔

گویا قرآن حکیم کے نزدیک تصورات حسن یا نظریات کی محبت جس کی وجہ سے انسان تمام حیوانات پر فوقیت رکھتا ہے۔ خود وہ قوت ہے جو انسان کے سارے اعمال کو حرکت میں لاتی ہے اور یہ قوت نہ تو جبلت جنس کی پیداوار اور خدمت گزار ہے اور نہ ہی جبلت تفوق کی نہ جبلت تغذیہ کی اور نہ ہی جبلتوں کے کسی مجموعہ کی بلکہ وہ انسان کی فطرت کا ایک مستقل تقاضا ہے جو جبلتوں پر بھی حکمرانی کرتا ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ اگر یہ قوت جبلتوں سے پیدا نہیں ہوتی تو کہاں سے آتی ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ حیاتیاتی سطح ارتقاء پر قوت حیات کہاں سے آئی تھی اور طبعیاتی سطح وجود پر برقی قوت کہاں سے نمودار ہوئی تھی قرآن مجید کی محولہ بالا آیات کے مطابق اس قوت کو اسی خالق کائنات نے پیدا کیا ہے جس نے حیاتیاتی سطح ارتقاء پر قوت حیات کو پیدا کیا تھا تاکہ حیوانات کی نشوونما اور ارتقاء کا باعث بنے اور جس نے مادی سطح ارتقاء پر برقی قوت کو پیدا کیا تھا تاکہ عناصر کی نشوونما اور ارتقاء کا باعث بنے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انسانی سطح ارتقاء پر حسب تصور کی اس قوت کو اس لیے پیدا کیا ہے تاکہ وہ انسانی سطح ارتقاء پر نوع انسانی کے اعمال کو حرکت میں لائے اور اس طرح سے اس کی تصوراتی اور نظریاتی نشوونما اور ارتقاء کا باعث بنے :

والله خلقکم و ما تعملون

اور خدا نے ہی تم کو پیدا کیا ہے اور تمہارے اعمال و افعال کو بھی۔

دراصل جس طرح سے برقی قوت خدا کے قول ”کن“ یا ارادہ تخلیق و تربیت کی قوت تھی جو مادی دنیا میں کار فرما تھی۔ یا جس طرح سے قوت حیات خدا کے قول کن یا ارادہ تخلیق و تربیت کی قوت تھی جو حیاتیاتی دنیا میں کار فرما تھی۔ اسی طرح سے نظریات کی محبت کی قوت خدا کے قول کن یا ارادہ تخلیق کی قوت ہے جو انسانی سطح ارتقاء پر کار فرما ہے۔ انسانی دنیا کے تمام مظاہر قدرت جو انسانی اعمال و

افعال کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ اسی کی کار فرمائی کا نتیجہ ہیں۔ یہی وہ قوت ہے جو انسان کی سیاسی، سماجی، اخلاقی، اقتصادی، مذہبی، قانونی، علمی، تعلیمی، جمالیاتی اور عسکری اعمال و افعال کا منبع اور مصدر ہے اور ساری تاریخ کا تار و پود بناتی ہے:

والله خلقکم وما تعملون

اور خدا نے ہی تم کو پیدا کیا ہے اور تمہارے اعمال و افعال کو بھی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ عقیدہ توحید کی روشنی میں نفسیات (Psychology) کی صحیح تعریف یہ ہوگی:

Psychology is the Science of the creative activity of God

in the world of the human mind and its manifestations.

لہذا جب ہم قرآن کی تعلیمات کی روشنی میں انسانی علوم یعنی انفرادی نفسیات، اجتماعی نفسیات، فلسفہ سیاست، فلسفہ اخلاق، فلسفہ تعلیم، فلسفہ قانون، فلسفہ تاریخ، فلسفہ جمالیات وغیرہ کو نئے سرے سے لکھیں گے تو ان علوم کا بنیادی تصور یہی قرار دینا پڑے گا کہ کسی تصور حسن کی محبت انسان کے اعمال کی قوت محرکہ ہے۔ جب انسان کا تصور حسن یا نظریہ (ideal) خدا ہو جو بدرجہ کمال تمام صفات حسن کا مالک ہے تو یہ فطری جذبہ محبت اپنا صحیح راستہ پاتا ہے۔ اور پوری طرح سے اپنا اظہار کرتا اور مطمئن ہوتا ہے لیکن جب انسان کا تصور خدا نہ ہو تو انسان خدا کی صفات حسن شعوری یا غیر شعوری طور پر کسی اور تصور کی طرف منسوب کر کے اسی تصور سے اپنے فطرتی ذوق محبت کو مطمئن کرنے لگتا ہے لیکن اس صورت میں اس کا تصور حسن غلط اور ناقص ہوتا ہے اور چونکہ وہ صفات حسن سے عاری ہوتا ہے اسے زود یا بدیر معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ درحقیقت غلط اور ناقص ہے لہذا وہ مایوس ہو کر اسے ترک کر دیتا ہے اور ایک نئے تصور حسن کو اختیار کرتا ہے اس طرح سے غلط نظریات کی پرستار انسانی جماعتیں مٹی اور ابھرتی

رہتی ہیں لیکن صحیح اور کامل نظریہ کو اپنانے والی انسانی جماعت کلیہً مٹ نہیں
 سکتی۔ اگرچہ اس کی زندگی کا راستہ تمام ترقیوں کی انتہائی منزل پر پہنچنے سے پہلے
 ترقی اور تنزل کی معمولی منزلوں پر چڑھتا اور اترتا رہتا ہے۔

ہماری کچھ نئی اور اہم مطبوعات

- 150/- فقہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ڈاکٹر محمد رواس قلعه جی
- 75/- اصطلاحات حدیث ڈاکٹر محمود الطحان
- 70/- حضرت ابو ایوب انصاریؓ طالب الهاشمی
- 150/- فقہ النساءؓ محمد عطیہ خمیس
- 75/- کتاب النکاح و کتاب الطلاق (بداية المجتهد) علامہ ابن رشد
- 60/- آداب معاملات ابو مسعود اظہر ندوی
- 50/- اسلام یہ ہے علامہ محمد الغزالیؒ
- 50/- اسلام اور سائنس ڈاکٹر محمد رفیع الدین
- 50/- نقوش راہ مولانا جلیل احسن ندویؒ
- سیرت نبوی کی اولین کتابیں اور ان کے مولفین پروفیسر ثار احمد فاروقی
- 6/- قرآن کا پیغام خرم مراد
- 50/- ذکر جمیل ماہر القادری
- امام حسن بصری اور ان کی تفسیر کی خدمات احمد اسماعیل البسیط
- 95/- سیرۃ طیبہ
- قدیم اور مستند مورخ ابن سعد کی روایت پروفیسر ثار احمد فاروقی
- 50/- اسوہ صحابہؓ محمد اسلام عمری

اسلامك بك فاؤنڈیشن

۱۷۸۱۔ حوض سویوالان، دریا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

